مدارج النبوت (شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ) اور بذل القوۃ (مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ) کے مباحثِ غزوات کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار

فاروق احمد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

اپریل، ۲۰۲۲ء

مدارج النبوت (شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ) اور بذل القوۃ (مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ) کے مباحثِ غزوات کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار

فاروق احمد

ایم اے (شاہ عبد اللطیف یونیورسٹی)، خیرپور، سندھ، ۲۰۱۷ء

یہ مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے

ایم۔فل علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©فاروق احمد، ۲۰۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد　　　　فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہوئے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالہ کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **مدارج النبوت**(شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ)**اور بذل القوۃ**(مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ)**کے مباحثِ غزوات کا تجزیاتی مطالعہ**

Analytical Study of Ghazwaat in Madarj ul Nubuwat (Shaikh Abdul Haq Muhaddis Dihalvi) & Bazal ul Quwa (Makhdum Muhammad Hashim Thathwi)

نام ڈگری: ایم فل آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: فاروق احمد　　　رجسٹریشن نمبر: 1693-Mphil/IS/S19

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی
(نگران مقالہ)　　　________________ نگران مقالہ کے دستخط

ڈاکٹر نور حیات خان
(صدر، شعبہ علام اسلامیہ)　　　________________ صدرِ شعبہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)　　　________________ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو-ریکٹر اکیڈمکس)　　　________________ پرو-ریکٹر اکیڈمکس کے دستخط

تاریخ ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں فاروق احمد ولد: منظور احمد

رول نمبر: MP-S19-501 رجسٹریشن نمبر: 1693-Mphil/IS/S19

طالب، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لیگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **مدارج النبوت (شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ) اور بذل القوۃ (مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ) کے مباحثِ غزوات کا تجزیاتی مطالعہ**

Madaraj ul Nubuwat (Shaikh Abdul Haq Muhaddis Dihalvi) aur Bazal ul Quwa (Makhdum Muhammad Hashim Thathwi) ky Mabahis e Ghazwaat ka Tajzeyati Muttalah

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اور **ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی** کی زیر نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرا دیا گیا، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: فاروق احمد

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(Abstract)ملخص مقالہ

Analytical Study of Ghazwat in Madaraj ul Nubuwat (Shaikh Abdul Haq Muhddis Dihalvi) & Bazal ul Quwa (Makhdum Muhammad Hashim Thathwi)

Islam guides its believers in all spheres of life, even those related to individual or collective matters of life. After the end of the Book of Samawiyyah and the Prophets, this guidance urged us to acquire the basic sources of Islam. One of these basic sources is the biography of the Prophet (peace be upon him). The study of the biography in the subcontinent has developed rapidly in the twentieth century following the trend of doing so in the light of jurisprudence. What are the hidden wisdoms in military, international and da'wah matters? The biographers have tried their best to reveal the wisdoms in their own way and on this basis the biographers have deduced innumerable rules and issues from the events of the biography. The subject is related to jihad in two books of Sira (Madarij al-Nabawat and Bazl al-Qawwa). The purpose of jihad is to exalt the word of Allah. Jihad is mentioned in some Madani Surahs of the Holy Qur'an His civil life which consists of about ten years, twenty-seven expeditions and cents Les Saraya is a perfect reflection of the fact that he fought for the exalted word of Allah.

My thesis consist of four chapters and every chapter has three sections.First chapter is all about author of books with rules and regulations of books. Second chapter is about pray of shuhda and sema-e-muta, Third chapter is about problems encountered in battles, Fourth chapter is abouat charity, booty and wealth (Sadqat, Mal-e-ghanimat and Mal-e-fai).

In these battles, Sahib-i-Madarij-ul-Nabwat and Bazl-ul-Qawwa have mentioned many issues and also explained the differences and opinions of the jurists.In addition to the battles in the books of Sirah, jurisprudential issues can be worked on the topics of the whole book.There may be jurisprudential work on specific books of sirah but not on all books.

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
iii – iv	فہرستِ عنوانات(Table of Contents)	1
v	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptanc Form)	2
vi	حلف نامہ(Declaration)	3
vii	اظہار تشکر (A Word of thanks)	4
viii	انتساب (Dedication)	5
ix	رموزواشارات	6
x	ملخص مقالہ (Abstract)	7
1 - 7	مقدمہ	8
8	**باب اول: منتخب کتب اوران کے مؤلفین کا تعارف**	9
9 – 18	فصل اول: غزوہ کی تعریف اوران کے مقاصد	10
19 - 27	فصل دوم: تعارف مؤلفین	11
28 - 41	فصل سوم: بذل القوۃ اور مدارج النبوت کے اصول و منہج	12
42	**بابِ دوم: شہداء اور سماعِ موتیٰ کے مسائل**	13
43 - 51	فصل اول: شہادت کی فضیلت اور مقام ومرتبہ	14
52 - 58	فصل دوم: شہید کی نماز جنازہ اور تدفین	15
59 - 65	فصل سوم: سماعِ موتیٰ کے مسائل	16
66	**باب سوم: غزوات میں عبادات سے متعلق مسائل**	17
67 - 78	فصل اول: نماز، قضا کی صورتین اور صلاۃِ خوف	18
79 - 86	فصل دوم: تیمم اور موزوں پر مسح کے مسائل	19

87 - 109	فصل سوم: معاشرتی مسائل	20
110	**بابِ چہارم: صدقات وغنائم کے مباحث**	21
111-116	فصل اول: انفاق فی سبیل اللہ	22
117-121	فصل دوم: مال غنیمت	23
122-124	فصل سوم: مال فئے	24
125-126	نتائج وسفارشات	25
127	فہارس	26
128-129	فہرست قرآنی آیات	27
130-131	فہرست احادیث	28
132-133	فہرست اصطلاحات	29
134-136	فہرست مصادر ومراجع	30

اظہار تشکر(A Word of Thanks)

سب سے پہلے اس خداوند ذوالجلال کا شکر گذار ہوں جس نے ہمیں علم کے زیور سے نوازااور ہمیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی توفیق دی اور ہمارے لیے حصولِ علم کے تمام راستوں کو آسان کر دیااور درود وسلام اس ہستی کی حضور میں جس نے ہماری زندگی کے ہر موڑ کو آسان کرنے کے لیے اور تعلیم وتعلم کے لیے حصول کے لیے اپنا عملی نمونہ پیش کیا جس کی نظیر ملنا بہت مشکل ہے اس کے بعد میں اپنے والدین کا بے حد ممنوں ہوں کہ جن کی محبت ، محنت ، لگن اور شوق نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ جن کے دست شفقت نے مجھے ایامِ مرور کی پریشانیوں سے محفوظ رکھا۔ اور اپنی ضروریات پر میری ضروریات کو ترجیح دی اور ہر کھٹن مراحل میں میری مدد کی اور ایسا تعلیمی ماحول مہیا کیا کہ جس کی وجہ سے اپنی تعلیم کو جاری رکھ سکا۔

اس کے بعد میں اپنے اساتذہ کرام خصوصاً گرامی قدر جناب ڈاکٹر مفتی منیر احمد حفظہ اللہ کا بھی شکر گذار ہوں کہ جن کے دست شفقت نے مجھے اس مقام تک پہنچایا، اور دل کی اتھاہ گہرایوں سے محترم ومکرم، مہربان و مشفق استاذ ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی حفظہ اللہ کا انتہائی ممنون ومشکور ہوں جن کی محبت ورہنمائی میں تحقیق وجستجو کا کٹھن مرحلہ آسان ہوا اور لمحہ بہ لمحہ رہنمائی فرمائی۔ پھر اس کے بعد محترم عبدالوھاب اور محترم محمد وسیم انور کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے مقالہ کی ترتیب میں میری معاونت کی۔

اس کے بعد میں نہایت شکر گزار ہوں نمل یونیورسٹی اور ڈاکٹر حمید اللہ (انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی) کے لائبریرین کا جن کے تعاون سے میں نے اپنے علمی سفر کے اس حصے کو مکمل کیا۔ اور اسی طرح جامعہ دارالعلوم کراچی کے ان اساتذہ کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے مجھے قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم دے کر اس فتن دور میں معاشرے میں رہن سہن کے طریقے سکھائے اور تعلیم وتربیت میں اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی۔

اسی طرح ان دوست واحباب کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے ہر کٹھن مرحلے میں میری مدد کی اور تجربات سے نوازا۔ اللہ تعالیٰسے دعا ہے کہ وہ اس مقالہ کو میرے والدین، اساتذہ اور میرے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

فجزاهم الله خيرا واحسن الجزاء

فاروق احمد

ایم فل علوم اسلامیہ

انتساب

"اپنے محترم والدین کے نام اور اساتذہ کرام جن کی حوصلہ افزائی، محنتوں اور دعاؤں کے نتیجہ نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں یہ مقالہ مکمل کروں"

رموزواشارات

اس تحقیقی مقالے میں جن رموزواشارات کا استعمال کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

1۔	﴿ ﴾	قرآنی آیات کے لیے
2۔	﴿ --﴾	آیت کے آخری حصے کو چھوڑنے کے لیے
3۔	﴿ -- ﴾	آیت کے درمیانے حصے کو چھوڑنے کے لیے
4۔	﴿-- ﴾	آیت کے شروع کے حصے کو چھوڑنے کے لیے
5۔	( )	احادیث مبارکہ کے لیے
6۔	(--)	حدیث کے درمیانے حصے کو چھوڑنے کے لیے
7۔	" "	قرانی آیات واحادیث اور عربی عبارت کے ترجمہ کے لیے
8۔	ص	صفحہ نمبر کے لیے
9۔	ء	سن عیسوی کے لیے
10۔	ھ	سن ہجری کے لیے
11۔	ؒ	رحمۃ اللہ علیہ کے لیے
12۔	ایضا	ایک کتاب کو اسی صفحہ پر دوسری مرتبہ ذکر کرنے کے لیے
13۔	/	لکیر کے دائیں جانب سورت نمبر اور بائیں جانب آیت نمبر

مقدمہ

موضوعِ تحقیق کاتعارف:(Introduction to the Topic)

اسلام اپنے ماننے والوں کی رہنمائی زندگی کے تمام شعبہ جات میں کرتا ہے اگرچہ جن کا تعلق زندگی کے انفرادی یا اجتماعی معاملات سے ہو زندگی کے اجتماعی معاملات میں ملکی سطح پر جہاد کو اہمیت کا حاصل ہے لیکن اس کے لیے بھی سیرت طیبہ مکمل اصول و قانون بیان کرتی ہے۔ جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور اس کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے کیا جاتا ہے۔ جہاد کا ذکر قرآن مجید کی بعض مدنی سورتوں میں اچھی خاصی تفصیل ہوا ہے اور احادیث میں مغازی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد کی زندگی جہاد میں مشغول رہی، جو کہ تقریبا دس سال پر مشتمل ہے غزوات کی تعداد 27 ہے اوراس کے علاوہ سرایا کی تعداد 47ہے۔ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس سلسلہ کو خلفاءِراشدین اور صحابہِ کرام نے جاری رکھا اس لئے اسلامی ریاست کے حکمرانوں سے لے کر وہاں کے عوام تک کی یہ مذہبی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ جذبہ جہاد کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ رکھیں اور دشمن کی یلغار کو روکنے کیلئے ہر لمحہ جنگی سازوسامان بھی تیار کرتے رہیں۔

آپ ﷺ کی مدنی زندگی کا بیشتر حصہ جنگی مہمات میں گزرا۔ان جنگی مہمات کو دوصورتوں غزوات اور سرایا میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سیرت ان پہلوؤں پر عہد صحابہ سے مختلف نوعیت کا کام مغازی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ابتدائی مراحل میں سیر ومغازی ہی سیرت کا بنیادی نکتہ تھے۔ اس کے بعد سیرت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے اور عصر حاضر میں سیرت کے موضوع پر موضوعاتی اور تجزیاتی کتب لکھیں گئیں ہیں۔

بیسوی صدی سے سیرت کا مطالعہ فقہ السیرہ کی روشنی میں کیے جانے کا رجحان تیزی سے پیدا ہوا ہے۔ اس بنیاد پر نبی کریم ﷺ کی زندگی کے معاشرتی، سیاسی، ثقافتی، عسکری، بین الاقوامی، دعوتی امور میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں اور ان سے سیرت نگاروں نے کن احکام ومسائل کا استنباط کیا ہے۔

فقہ السیرۃ پر مختلف ادوار میں مختلف انداز میں کام ہوتا رہا ہے، یہاں تک برصغیر میں بھی فقہ السیرۃ پر بہت کام ہوا ہے اور فقہ السیرۃ پر مختلف کتب لکھی گئیں ہیں۔ان میں دو کتب میرے مقالہ میں زیر بحث ہیں، جن کا مختصر تعارف کیا جائے گا:

مدارج النبوت کے مصنف شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ہیں،اس کتاب میں دہلوی صاحب نے واقعات سیرت کے ضمن بہت سی فقہی مباحث پر بحث کی ہے اور ان سے مستنبط ہونے والے بعض احکام و مسائل کو زیر بحث لایا ہے۔ نیز موصوف نے فائدہ اور تنبیہات کے عنوانات کے تحت اسرار و رموز بیان کیے ہیں۔

بذل القوۃ کے منصف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ ہیں، مخدوم صاحب نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجموعی طور پر چار ابواب اور بیالیس فصول سیرت کے مباحث کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔ نیز فقہی احکام و مسائل اور استنباطات کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔

موضوعِ تحقیق ضرورت واہمیت: (Signification of Study)

اسلامی تعلیمات کی رو سے مطالعہ سیرت کی اہمیت مسلم ہے۔ وہ تمام مسائل جن کا حل قرآن اور سنت میں براہ راست مذکور نہیں ہے تو قیاس اور اجتہاد کے ذریعے ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں مستنبط کیا جاتا ہے۔ سیرت کا مطالعہ اس انداز میں میں کرنا کہ بنی رحمت ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے مختلف واقعات یا حوادث سے کون کون سے شرعی احکام مستنبط کیے جاتے ہیں فقہ السیرۃ کا میدان ہے۔اس لیے موجودہ دور میں سیرت کا مطالعہ اس انداز میں کرنے کی ضرورت اور زیادہ بڑھتی چلی جارہی ہے کیونکہ تمام معاشرے مختلف مذاہب کے ماننے والوں پر مشتمل ہے، اس لیے یہ کہنا کلی طور پر بجا ہے کہ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ فقہ السیرۃ کے تناظر میں صحیح معنوں میں سیرت کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے۔ ابتدائی سیرت نگاروں امام ابن قیم کی کتاب زاد المعاد اور بیسوی صدی کے سیرت نگاروں فقہ السیرۃ عنوان پر لکھی گئی کتابیں اور عہد حاضر میں سیرت النبی ﷺ ڈاکٹر محمد علی صلابی کی کتاب اس کی بہترین صورت پیش کرتی ہے،اس اعتبار سے ان دونوں کتابوں (مدارج النبوت اور بذل القوۃ) میں مؤلفین احکام فقہ کو سیرت کے مختلف واقعات کی روشنی میں کہیں تفصیلاً اور کہیں اختصاراً کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سیرت سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل اور فعل کیوں کیا گیا اور اس سے کیا احکام مستنبط ہوتے ہیں اس کی نظیر "حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا مسئلہ"، "طہارت میں علماء کا اختلاف کا ذکر"، "جمع بین الصلاتین"، "نمازِ جنازہ کے مسائل" اور اسی طرح بہت غزوات

ایسے ہیں جن سے ہمیں آپ ﷺ کی سیرت کے ساتھ ساتھ احکام جہاد بھی معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ غزوہ خیبر میں پیش آنے واقعات اور بئر معونہ میں پیش آنے والے مسائل۔ان مسائل کے متعلق سیرت کی کتابیں فقہی احکام سے بھری پڑی ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوت اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ نے بذل القوۃ میں مختلف مقامات پر مختلف مسائل کو ذکر کیے ہیں ان میں سے چند کو مندرجہ ذیل ذکر کیا جارہا ہے:

بذل القوۃ:

- مخدوم صاحب نے غزوہ احد کے واقعات کے بعد شہداء کے تجہیز و تکفین، غسل، اور نماز جنازہ کے متعلق احکام اور فقہاء کے اختلاف کا تذکرہ اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھے جانے یا نہ پڑھے جانے کے حوالے سے مختلف فقہاء کا اختلاف اور ان کے راجح اقوال کا تذکرہ کرتے ہیں۔
- مخدوم صاحبؒ نے حضرت خبیب کی قبل از شہادت دو رکعت نماز کو ہر قیدی کے لیے سنت قرار دی ہے۔لکھتے ہیں کہ یہ نماز ہر اس قیدی مسلمان کے لیے سنت ہے جسے شہید کیا جارہا ہو۔
- مخدوم صاحب نے سنہ 7ھ کے واقعات میں عمرۃ القضاء کے تذکرہ میں حضرت میمونہ کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کا تذکرہ کیا گیا ہے اس حوالے سے ائمہ شوافع اور احناف کے اختلاف کو زیر بحث لایا ہے۔

مدارج النبوت :

- شیخ صاحب نے بھی غزوہ احد کے ضمن میں شہداء کے نماز جنازہ، غسل اور کفن کے بارے میں فقہاء اور محدثین کے اختلافات اور ان کی آراء ذکر کی ہیں۔
- شیخ صاحب نے عکل اور عرینہ قبائل کے لوگوں کو آپ ﷺ نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دینا اور اس کے بارے میں وجوہ اور اسباب کا ذکر کیا ہے۔
- شیخ صاحب نے بھی غزوہ خیبر کے ضمن میں پیدل اور سوار کے غنیمت کے حصوں کے بارے میں اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

اسلوبِ تحقیق:(Research Methods & Methodology)

مقالہ کا اسلوبِ تحقیق تجزیاتی و تقابلی ہے۔

ذرائعِ تحقیق:

- مقالہ کا اسلوبِ تحقیق تجزیاتی اور تقابلی ہے۔
- بنیادی اور ثانوی ماخذ سے بقدر ضرورت استفادہ۔(تفسیر طبری، صحیحین، سیرۃ ابن ہشام)
- مختلف سیرت کی کتب اور احادیث سے مدد لی گئی ہے۔
- جدید تحقیق کے لیے ذرائع انٹرنیٹ، ویب سائٹس اور ڈجیٹل اسلامی مکتبات کو بھی استعمال کیا گیاہے۔ جن میں مکتبہ شاملہ اور ایزی قرآن وحدیث وغیرہ شامل ہیں۔
- مقالہ کی تحریر و تسوید میں یونیورسٹی فارمیٹ کو مد نظر رکھا گیاہے۔

مقاصدِ تحقیق:(Research Objectives)

- بذل القوۃ اور مدارج النبوۃ کے مابین مباحثِ غزوات کا جائزہ لینا۔
- مذکورہ کتب میں غزوات سے مستنبط مسائل میں مشترکات و متفرقات کو تلاش کرنا۔
- غزوات سے متعلق فقہی مباحث سے اخذ شدہ دروس وعبر کا استنباط کرنا۔
- ان مصنفین کے سیرت نگاری کے اصول کا تجزیہ کرنا۔

سوالاتِ تحقیق:(Research Questions)

- بذل القوۃ اور مدارج النبوۃ میں غزوات کے مباحث میں فقہی احکامات کا تذکرہ کن اصولوں پر کیا گیاہے؟
- جہاد کے احکام و مسائل کے بیان میں بذل القوۃ اور مدارج النبوۃ کے مناہج میں کیا فرق ہے؟
- فقہ السیرۃ کی روشنی میں اختلافی مباحث میں تطبیق کی کون کون سی صورتیں ہیں؟

بیانِ مسئلہ:(Statement of the problems)

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ فقہ السیرہ کی مباحث کو غزوات النبی ﷺ کے تناظر میں مدارج النبوت اور بذل القوۃ کی روشنی میں جائزہ لینا ہے۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:(Literature Review)

مقالہ جات:

- مدارج النبوت اور سرورِ عالم ﷺ کا تحقیقی و تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: ابو بکر عزیز، نگران مقالہ: ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر، شعبہ علوم اسلامیہ (فاصلاتی نظام) بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان پنجاب، پاکستان، سیشن 2011-2013۔

آرٹیکلز:

- بیسویں صدی میں فقہ السیرہ کا رجحان، ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی، جلد 49، شمارہ 2-3 رسالہ فکر و نظر اسلام آباد۔

تجزیہ: اس آرٹیکل میں فقہ السیرۃ کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات ذکر کی گئی ہے، پھر اس کے بعد مختلف سیرت کی کتب پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

- برصغیر میں سیرت نگاری فقہ السیرہ کا اسلوب، (ایک تجزیاتی مطالعہ)، حافظ محمد نعیم۔

تجزیہ: اس آرٹیکل میں یہ بتایا گیا ہے کہ برصغیر کے اندر سیرت کی کتب میں مختلف مباحث ذکر کی گئی ہیں لیکن جو آخری کام کیا گیا وہ فقہ السیرہ کے متعلق ہے۔

- بیسویں صدی میں اردو سیرت نگاری کے مناہج و اسالیب، سید عزیز الرحمن، جلد 49، شمارہ 3-2، رسالہ نظر و فکر اسلام آباد۔

تجزیہ: اس مقالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مختلف اسلوب (محدثانہ اسلوب، فقہی اسلوب، کلامی اسلوب، جدلی اسلوب، درایتی اسلوب، تحقیقی اور تجزیاتی اسلوب) ذکر کیے گئے ہیں۔

- برصغیر میں سیرت نگاری کا روادارانہ اسلوب 1857 تا 1947 (ہندوؤں اور سکھوں کی کتب سیرت کی روشنی میں)، حافظ محمد نعیم۔

اس آرٹیکل میں ہندوؤں اور سکھوں کی کتب سیرت میں آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ،صداقت کا اظہار،ہندوؤں کی کتب میں آپ ﷺ کے متعلق بشارتیں اور حضور ﷺ کی ذات سے منسوب من گھڑت کہانیوں کی تردید ذکر کی گئی ہے۔

- مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کے مقاصد و معارف،ڈاکٹر حافظ محمد نعیم اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور پاکستان ضیائے تحقیق،2015،شمارہ5-9۔
- احکام و تصرفات رسول ﷺ کی تقسیم و شرعی حیثیت (اصولیین اور فقہاء کی آراء کا جائزہ)ڈاکٹر حافظ محمد نعیم ،اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور پاکستان،افکار شمارہ2،30/15/2018۔
- وقائع سیرت سے استنباط احکام میں مباحث اصولیہ کا اطلاق،ڈاکٹر حافظ محمد نعیم،اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیہ عربیہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور پاکستان۔
- فقیہات سیرت،پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی۔
- معاہدہ حدیبیہ فقہی مطالعہ،ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی،لیکچرر شعبہ حدیث و سیرت،عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔
- غزوہ بدر،فقہ و دلالات،الدکتور عصمت اللہ زاہد،الاستاذ المساعد،مجمع البحوث الاسلامیہ الجامعہ الاسلامیہ العالیہ اسلام آباد۔

تحدیدِ موضوع:(Delimitation)

مقالہ ہذا کی تحدید "مدارج النبوت اور بذل القوہ کی روشنی میں غزوات کا تجزیاتی مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

ابواب و فصول کا خاکہ:(Chapterization)

بابِ اول: منتخب کتب اور ان کے مؤلفین کا تعارف

فصلِ اول: غزوہ کی تعریف اور ان کے مقاصد

فصلِ دوم: تعارف مؤلفین

فصلِ سوم: بذل القوۃ اور مدارج النبوت کے اصول و مناہج

بابِ دوم: شہداء اور سماعِ موتیٰ کے مسائل

فصلِ اول: شہادت کی فضیلت اور مقام و مرتبہ

فصلِ دوم: شہید کی نمازِ جنازہ اور تدفین

فصلِ سوم: سماعِ موتیٰ کے مسائل

بابِ سوم: غزوات میں عبادات سے متعلق مسائل

فصلِ اول: صلاۃِ خوف اور قضا کی صورتیں

فصلِ دوم: تیمم اور موزوں پر مسح کے مسائل

فصلِ سوم: معاشرتی مسائل

بابِ چہارم: صدقات اور غنائم کے مسائل

فصلِ اول: انفاق فی سبیل اللہ

فصلِ دوم: مالِ غنیمت

فصلِ سوم: مال فئی

بابِ اول

منتخب کتب اور ان کے مؤلفین کا تعارف

فصلِ اول: غزوہ کی تعریف اور ان کے مقاصد

فصلِ دوم: تعارف مؤلفین

فصلِ سوم: بذل القوۃ اور مدارج النبوت کے اصول و مناہج

فصلِ اول

غزوہ کی تعریف اور ان کے مقاصد

غزوہ کی لغوی تعریف:

تاج العروس من جواھر القاموس میں محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی نے غزوہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

غَزْو:وغَزَاهُ غَزْواً بالفَتْح:أَرادَهُ وطَلَبَه.و غَزَاهُ غَزْواً:قَصَدَهُ، كغَازَهُ غَوْزاً، كاغْتَزَاهُ:أَي قَصَدَهُ؛نقلَهُ ابنُ سِيدَه.وغَزَاالعَدُوَّ يَغْزُوهم:سارَ إِلَى قِتالِهم وانْتِهابِهِم.وقال الرَّاغبُ:خَرَجَ إِلَى مُحاربَتِهم غَزْواً،بالفَتْح وغَزَواناً،بالتحْرِيكِ وقيلَ بالفَتْح عَن سِيْبَوَيْه،وغَزَاوَة، كشقَاوَةٍ،وأَكْثَرُ مَا تَأْتِي الفَعالَةُ مَصْدراً إِذا[1]

ترجمہ:"لفظ غزو بابِ فتح سے آتا ہے، اس کے معنیٰ ہیں "ارادہ کرنے اور کسی چیز کو طلب کرنے کے"، جیسا کہ غزاہ غوزا کی مثال اغتراہ کی طرح ہے: اس کے معنیٰ قصد کرنے کے آتے ہیں اور اس کو ابن سیدہ نے نقل کیا ہے۔ اور غزایغزو: لفظ غزو باب نصر ینصر سے آتا ہے اور اس کے بھی معنیٰ بھی قصد کرنے کے آتے ہیں، راغب فرماتے ہیں کہ: جو جنگ کی طرف نکلے اس کو غزوا، غزوانا کہا جائے گا اور اس کے بارے میں امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ اس پر آئے گی غزاوۃ، جیسا کہ شقاوۃ، اور اکثر اس کا مصدر فعالۃ کے وزن پر آتا ہے۔

لسان العرب میں غزوہ کی لغوی تعریف ذکر کی گئی ہے کہ:

غزا:غزاالشی غزوا:کے معنیٰ ہیں "طلب کرنا اور ارادہ کرنا"۔

پھر غزوہ کو دھری کے شعر سے ثابت کیا گیا ہے کہ:

لقلتُ لدھری:انه ھوغزوتی،

وانّی،وان ارغبتنی،غیرفاعل

---

[1] ابو الفیض، احمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق، **تاج العروس من جواھر القاموس**، (دار الھدایۃ)، عدد الأجزاء:40۔

ترجمہ:"یہی میرا ارادہ ہے، اور میں، اور آپ نے مجھے اپنی طرف راغب کر دیا ہے بغیر کام کے"۔

الغزو :السیرالی قتال العدوّوانتھابه،غزاھم غزوا،وغزوانا کے معنی آتے ہیں: دشمن کی طرف لڑائی کے لیے چلنا۔

پھر اس کو بابِ افعال میں استعمال کیا ہے کہ:"اغزی الرجل وغزاه:حمله علي ان يغزو"اس کے معنی ہیں کہ" اس نے لڑائی کرنے والے پر حملہ کیا"۔

واغزی فلان فلانا اذااعطاه دابة يغزو عليها"کے معنی ہیں کہ فلاں نے فلاں پر حملہ کیا جب اس نے اس کو جانور واپس دیا۔

قال سيبويه:واغزيت الرجل امهلته واخرت مالی علیه من الدين.سیبویہ کہتے ہیں کہ: میں اس شخص کو مہلت دی جس کے اوپر میرا قرضہ تھا۔ یہاں اس کو مہلت اور تاخیر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔[1]

یہاں تقریباً ہر ایک ماہرین لغات نے لفظ غزوہ کو یکساں معانی میں استعمال کیا ہے۔

غزوہ کی لغوی تعریف کے بارے میں معجم مقاییس اللغۃ میں احمد بن زکریاء القزوینی الرازی نے ذکر کیا ہے کہ:

> غَزَوَ الْغَيْنُ وَالزَّاءُ وَالْحَرْفُ الْمُعْتَلُّ أَصْلَانِ صَحِيحَانِ،أَحَدُهُمَا طَلَبُ شَيْءٍ،وَالْآخَرُ فِي بَابِ اللِّقَاحِ.فَالْأَوَّلُ:الْغَزْوُ.وَيُقَالُ:غَزَوْتُ أَغْزُو.وَالْغَازِي:الطَّالِبُ لِذَلِكَ وَالْجَمْعُ غُزَاةٌ وَغَزِيٌّ ايْضًا،كَمَايُقَالُ لِجَمَاعَةِ الْحَاجِّ حَجِيجٌ.وَالْمُغْزِيَةُ:الْمَرْأَةُ الَّتِي غَزَا زَوْجُهَا.وَيُقَالُ فِي النِّسْبَةِ إِلَى الْغَزْوِ:غَزَوِيٌّ.وَالثَّانِي:قَوْلُهُمْ:أَغْزَتِ النَّاقَةُ،إِذَا عَسُرَ لِقَاحُهَا.وَقَالَ قَوْمٌ:الْأَتَانُ الْمُغْزِيَةُ:الَّتِي يَتَأَخَّرُ نِتَاجُهَا ثُمَّ تُنْتَجُ.[2]
>
> ترجمہ:"لفظ غزو کے حرف "غین" اور "زاء" اور حرف (و) معتل ہے، دونوں صحیح اور اصلی حروف ہیں، اس کے ایک معنی "کسی شی کو طلب کرنے کے آتے ہیں" اور اس کے دوسرا معنی ہیں" لقاح کے باب سے ہے"۔ پہلا: لفظ غزو کا ماضی اور مضارع آتے ہیں "غزوت، اغزو"۔ اس سے غازی نکلتا ہے اوراس کے معنیٰ ہیں "طلب کرنا"۔ اس کی جمع غزاۃ اور غزی آتی ہے۔ جیسا کہ گروہ کے لیے کہا جاتا کہ "حاج اور حجیج"۔ "مغزیہ" یہ لفظ

---

[1] علامہ ابن منظور، **لسان العرب** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولی، 1988۔1408)، ص68، 67، 66۔

[2] القزوینی، احمد بن فارس بن زکریاء، **معجم مقاییس اللغۃ** (دار الفکری، 1399ھ-–1979م)، عدد الأجزاء:6۔

اس عورت کے لیے بولا جاتا ہے جس کے خاوند نے لڑائی کی ہو۔ لفظ غزو کو کسی کی طرف نسبت کرنے کے لیے اس کو بولا جاتا ہے "غزوی"۔ دوسرا: ان کا قول "اغزت الناقۃ" اس کے معنی آتے ہیں "جب اس کو تنگی محسوس ہو"۔ اور قوم کا قول "الا تان المغزیۃ" اس کے معنی آتے ہیں "وہ جو جس کا نتیجہ مؤخر ہو پھر اس کے بعد اس کا نتیجہ آجائے۔"

القاموس الوحید میں غزوہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

لفظ غزوہ، غزوا، یغزو، غزوا، وغزوانا (بابِ نصر ینصر) سے آتا ہے، غزا الشی اس کے معنی آتے ہیں (طلب کرنا ،چاہنا) اور عربی میں ایک مقولہ ہے اور کہا جاتا ہے:

"عرفت مایغزی من ھذا الکلام"

ترجمہ: "میں اس کلام کا مقصد سمجھ گیا۔"

غزاالعدوّ کے معنی ہیں "لڑنے کے لیے دشمن کی طرف جانا اور لوٹنے کے لیے ان کے ملک میں گھسنا اور جہاد کرنا۔ اس کی مختلف جمع آتی ہیں "غُزاۃ، غُزی اورغُزِیّ"۔[1]

غزوہ کی اصطلاحی تعریف:

غزوہ کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ:

المرادبالمغازی هناماوقع من قصدالنبی ﷺ الکفاربنفسه،بجیش من قبله وقصدهم اعمّ من ان یکون الی بلادهم،اوالی الاماکن التی حدّوها،حتّی دخل مثل احد،وخندق۔[2]

ترجمہ: "یہاں مغازی سے مراد حضور اکرم ﷺ کا بہ نفس نفیس یا پھر اپنے لشکر کے ذریعہ کفار کی طرف جنگ کا قصد وارادہ کرنا یہ قصد چاہے کفّار کے شہروں کا ہو یا ان کے مقامات کا ہو جہاں وہ اترے ہوں جنگ کے لیے، اس لیے اس کی مثال غزوہ خندق اور احد کو شامل ہیں"۔

غزوہ کی اصطلاحی تعریف کے متعلق صاحبِ کتاب (مدارج النبوتؒ) نے ذکر کی ہے کہ:

[1] قاسمی، مولانا وحید الزمان، **القاموس الوحید** (ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)، ص 1167.

[2] عسقلانی، حافظ ابن حجر، **السیرۃ النبویۃ فی فتح الباری**، (مکتبہ دار البیان، 2001-1422ھ)، 2/131۔

"اربابِ سیر کی یہ اصطلاح جاری ہوچکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے غزوہ اور غزوات کہتے ہیں۔"

موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم میں غزوہ کی اصطلاحی تعریف کہ ہے کہ:

"هي الجيش الذي يخرج من بلاده أو موطنه؛ قاصداً قتال أهل الكفر ومواجهتهم،وقد كان النبي صلّي الله عليه وسلّم- قائداً ومشاركاً في العديد من الغزوات، أما المواجهة التي لا يكون فيهاالنبي -صلّي الله عليه وسلّم-فيطلَق عليها اسم السرية"-[1]

غزوہ کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں صاحب کتاب اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم میں جو تعریفات بیان کی گئیں ہیں،وہ تعریفات تقریبا ایک جیسی ہیں،یہی اصح ہیں اور زیادہ تر یہی تعریفات استعمال کی جاتی ہیں۔

مقاصد:

جہاں دوسری جنگوں میں دنیا دار قوموں کے دل دنیاوی اور نجی اغراض و مقاصد حاصل کرنے لیے ہوتے ہیں۔ کہیں ملکوں کو حاصل کرنے کی ہوس مراد ہوتی ہے،تو کہیں مال و دولت اکٹھا کرنے کی حرص کا غلبہ ہوتا ہے،تو کہیں نام و نمود اور شہرت و نام وری حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے، لیکن اس کے برخلاف وہاں جہاد فی سبیل اللہ خالصتاً ایک للہیٰ عمل ہے اور صرف رضائے الہیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے۔ اسے نہ مال و دولت کی غرض سے کیا جاتا ہے نہ غنیمت کی آرزو، نہ جاہ و جلال کا بھوت لاحق ہوتا ہے،نہ ہی نام و نمود کی ہوس۔ بلکہ فقط کفر و باطل کے قلعے کو مسمار کرکے اور طاغوتی قوتوں کو مٹا کر خدا کی زمین پر خدا کی حکومت قائم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

جہاد اسلام کے بہت سے مقاصد ہیں جن کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔ان مقاصد کو مندرجہ ذیل قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کیا جارہاہے:

---

[1] تھانوي محمد علی،موسوعۃ کشّاف اصطلاحات الفنون والعلوم (الطبعۃ الأولی،بیروت: مکتبۃ لبنان)2/1253۔

قیام امن:

اسلامی جنگ کے شعائر میں سے ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صلح کے لیے تیار رہنا چاہیے، اور جتنا ممکن ہو سکے کہ جنگ کرنے سے بچا جائے، بلکہ امن و صلح کی طرف مائل ہونا چاہیے، اس لیے اسلام میں سب سے پہلے قیامِ امن کو ترجیح دی گئی، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں اس کا تذکرہ موجود ہے جس کو قرآن پاک نے کچھ یوں تذکرہ کیا ہے کہ:

﴿وَاِذْ قَالَ ابراهیم رَبِّ اجْعَلْ هذا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اهله مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ منهم بالله وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَوَمَنْ كَفَرَ فامتعه قَلِيْلًا ثُمَّ اضطره اِلٰى عَذَابِ النَّاروَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾[1]

ترجمہ: "اور جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے پروردگار! اس کو امن کا گہوارہ بنا دیجیے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں، انہیں مختلف قسم کے پھلوں سے رزق عطا کر دیجیے، اللہ تعالیٰ نے کہا: اور جو کفر اپنائے گا، تو اس کو بھی کچھ وقت کے لیے میں لطف اٹھانے کا موقعہ دوں گا، پھر اس کو دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔"

دوسری جگہ قرآن کریم کی آیت ہے جس میں قیام امن کے بارے ذکر کیا گیا ہے کہ:

﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْااِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَاجَعَل الله لَكُمْ عليكم سَبِيْلًا﴾[2]

ترجمہ: "اگر وہ آپ سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، اور آپ کے ساتھ قتال نہ کریں، اور آپ کی طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے (بھی صلح جوئی کی صورت میں) ان پر کوئی راہ نہیں بنائی۔"

ان آیات کی تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کو قبول کر لیا کہ: شہر کو امن کا

---

[1] البقرۃ:126۔

[2] النساء:90۔

گہوارہ کر دیا۔ ہمیشہ یہاں کا ہر اس کا ادب کر تا تھا، اور اب بھی کر تا ہے، جس طرح بیت المقدس پر بادشاہوں کے ہاتھ سے مصائب وآلام پیش آئے، لیکن کعبہ پر پیش نہیں آئے۔ صلیب کی جنگوں اور چنگیز خانیوں کے جہانسوز اور خطرناک حملوں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہر مخالفوں کے ہاتھوں سے محفوظ ومامون رہا اور ان شاءاللہ ہمیشہ رہے گا۔[1]

مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہو تا ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ جنگ سے پہلے جتنا ممکن ہو سکے تو بات کو صلح سے حل کیا جائے، تاکہ جنگ کی صورت حال پیدا نہ ہو، کیونکہ اسلام میں اصل چیز امن وامان ہے، جس سے معاشرہ میں امن رہتا ہے، اور لوگ امن سے رہتے ہیں۔ اپنے معاملات امن کی صورت میں اچھی طرح سے حل کر لیتے ہیں۔ ہاں اگر صلح کی صورتحال پیدا نہیں ہوتی تو پھر جنگ کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

غلبۂ دین کے لیے جہاد:

غلبہ دین کے لیے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿هو الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْله بِالهدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِیُظهره عَلَى الدِّيْنِ كُله﴾[2]

ترجمہ: "وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو الہدی (کتابِ ہدایت) دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اُسے تمام نظام ہائے حیات پر غالب کر دے۔"

اس آیت کریمہ میں حضور اکرم ﷺ کے آنے کا مقصد ذکر ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کا اک سامان (قرآن اور دین) دے کر اسی لئے بھیجا ہے، تاکہ آپ ﷺ کو دنیا کے تمام بقیہ دینوں پر غالب کر دے، تقریباً انہی لفظوں کے ساتھ قرآن کریم میں متعدد آیات وارد ہوئی ہیں، جن میں یہ وعدہ ہے کہ دین اسلام کو تمام دنیا کے ادیان پر غالب کیا جائے گا، اور وہ سب دینوں سے افضل و اعلی ہو گا۔ تفسیر مظہری میں ذکر کیا گیا ہے کہ: دین اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کرنے کی خوشخبری اکثر حالات اور اکثر زمانوں کے اعتبار سے

---

[1] قرطبی، ابو عبد اللہ بن محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القران، (دار الکتب المصریۃ)، 2/118، 117۔

[2] التوبہ: 33۔

ہے، جیسا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: زمین کے اوپر کوئی ایسا کچا پکا مکان باقی نہ رہے گا، جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے۔[1]

تاریخ اسلام کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کیا اور جب تک جہاد فی سبیل اللہ بر قرار رہا، تو کوئی کوہ و دریا ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا، یہاں تک مسلمان پوری دنیا پر غالب رہے، اور جب کبھی جہاں کہیں ان کو مقہور و مغلوب ہونے کی نوبت آئی، تو وہ قرآن وسنت کے احکام سے خلاف ورزی اور غفلت کا نتیجہ بد تھا۔

انسدادِ ظلم کے لیے جہاد:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَالَكُمۡ لَاتُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِيۡلِ الله وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِوَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هذه الۡقَرۡيَة الظَّالِمِ اهلهاوَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِيًّاوَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ نَصِيۡرًا﴾[2]

ترجمہ "بھلا کیا وجہ ہے کہ! تم اللہ تعالی کے راستے میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور چھوٹے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یُوں اللہ تعالی سے دعائیں مانگ رہے ہیں، کہ اے ہمارے رب ذوالجلال! ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نجات دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمارے لیے حمایتی و مددگار مُقّرر کر دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمارے لئے مددگار بنا۔"

مذکورہ آیت کریمہ میں مسلمانوں سے خطاب کیا جارہا ہے کہ تمہارے اوپر جہاد فرض ہے اوراس کو ترک کرنے کے بارے میں تمہارے پاس کوئی عذر موجود نہیں ہے، تو پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد نہ کرو، حالانکہ دوسری طرف مسلمان مرد وعورت اور بچے کفار کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، اور اُن کے بارے میں کوئی

---

[1] مظہری، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، التفسیر المظہری، (بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)4،3/195۔

[2] النساء:75۔

پوچھنے والا نہیں ہے، اور وہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ: اے اللہ! عزوجل ہمیں اس بستی کے ظالموں سے ہمیں نجات عطا فرما، اور ہمیں اپنے ہاں سے کوئی مددگار عطا فرما جو ہمیں کفار کے ظلم سے بچائے۔ جب تمہیں پتہ ہے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور تمہیں ان کو بچانے کی طاقت بھی رکھتے ہو، تو پھر کیوں نہیں ان کی مدد کیلئے اٹھتے؟ اس آیت میں صاف لفظوں میں حکم قتال دینے کے بجائے قرآن نے یہ الفاظ اختیار کیے "مالکم لاتقاتلون" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان حالات میں قتال وجہاد ایک فطری فریضہ، اور طبعی عمل ہے اور جس کا نہ کرنا کسی بھلے آدمی سے بعید ہے۔[1]

جہاد کا ایک اہم سبب انسدادِ ظلم ہے، جس کے ذریعہ سے ظالم اور ظلم کو ختم کیا جاتا ہے۔ جہاد ہی کی وجہ سے مرد وعورت، بوڑھے، بچہ ظالم کے ظلم سے ماموں ومحفوظ ہو جاتے ہے اور خوشحالی سے اپنی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

فتنہ کے سدباب کے لیے جہاد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَقٰتِلوهم حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فتنة وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ الله فَاِنِ انتهوا فَلَاعُدْوَانَ اِلَّاعَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: "ان سے قتال کرو، جب تک کہ فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے، اگر یہ رک جائیں، تو پس زیادتی صرف ظالموں پر ہی ہے۔"

دوسری مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَاقتلوهم حَيْث ثقفتموهم وَاخرجوهم مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالفتنة اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ولَاتقاتلوهم عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُم فيه فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فاقتلوه كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾[3]

---

[1] ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر القرشی، تفسیر القرآن العظیم (مکتبہ حقانیہ پشاور)، 1/537۔

[2] البقرہ: 193۔

[3] البقرہ: 191۔

ترجمہ :"مارو انہیں، جہاں بھی پاؤ ،اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے،اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے، اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو، جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہی ہے۔"

مندرجہ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جہاد کا مقصد معاشرہ میں استیصالِ فتنہ ہے اور جہاد ہی واحد ذریعہ ہے جس کی وجہ شر و فساد کو ختم کیا جاتا ہے۔ جب معاشرہ میں شر و فساد نہ ہو گا، تو وہ معاشرہ ہر اعتبار سے ترقی کی طرف گامزن ہو گا۔ اس کی نظیر غزوات میں ملتی ہے، ان کا بھی یہی مقصد تھا کہ معاشرہ میں شر و فساد نہ ہو، بلکہ امن و امان اور خوشحالی ہو تاکہ معاشرہ کے لوگ امن و امان سے رہ سکے اور امن سے اپنی زندگی گذار سکے۔ لیکن آجکل اس کے برعکس ہے اور جنگوں کا مقصد صرف معاشرہ کے امن وامان کو تباہ و برباد کرنا، علاقوں کو اپنے قبضہ میں کرنا اور مال واسباب کو اپنی تحویل میں لے لینا۔

کفر و شرک کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے جہاد:

جہاد کا اصل مقصد ہے اعلاء کلمۃ اللہ ، اللہ کے دین کو بلند و بالا کرنا، اور اس کی حقانیت کو اجاگر کرنا، لیکن بعض اوقات کفار اس کے درمیان رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں، تو اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ان سے جہاد کیا جاتا ہے اور یہاں تک کہ ان کو نیست و نابود کیا جائے، تاکہ وہ دوبارہ دین کے راستے میں حائل نہ ہو۔

دفاع مملکت:

جہاد کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے ملک کے دفاع و حفاظت کے لیے کفار سے جہاد کرنا، لیکن اسلامی تعلیمات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جہاد اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اس کا مقصد محض قتال، جنگ، یا دشمن کے ساتھ محاذ آرائی کا نام نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ اپنی جان ومال اور ملک وملت کی حفاظت کے لئے کیا جاتا ہے۔ جہاد اس وقت ہر مومن پر فرض ہے، جب کفار مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ پر اتر آئیں اور ان پر ناحق ظلم و ستم کا بازار گرم کریں۔ قرآنی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہجرت کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ کا فیصلہ کیا، تو اس موقع پر اذنِ دفاع کے بارے قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بانھم ظُلِمُوۡا وَاِنَّ اللہ عَلٰی نصرھم لَقَدِیۡرُ.الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دیارھم بِغَیۡرِحَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللہ وَلَوۡلَادَفۡعُ اللہ النَّاسَ بعضھم بِبَعۡضٍ لھدمت صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فیھااسۡمُ اللہ کَثِیۡرًاوَلَیَنۡصُرَنَّ اللہ مَنۡ ینصرہ اِنَّ اللہ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ﴾[1]

ترجمہ:"جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں،انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا ،تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں، جہاں اللہ کا نام باکثرت لیا جاتا ہے جو اللہ، کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔"

اس آیت کریمہ کے مطابق مسلمانوں کے لیے لڑنا اس لیے حلال کیا گیا کہ ان پر ظلم و ستم کیا گیا، انہیں بے گھر اور بے وطن کیا گیا، جبکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اب ان پر جنگ مسلط ہو رہی تھی، اور انہیں اپنا دفاع کرنا تھا۔ "وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللہِ النَّاسَ بَعۡضَھُم بِبَعۡضٍ" میں حملہ آور ہو کر تلوار اٹھانے کا اذن نہیں، بلکہ دفاع کی جدوجہد کا اذن ہے، تاکہ عبادت گاہیں محفوظ رہیں اور ہر کوئی پر امن ماحول میں اپنے اپنے دین پر عمل جاری رکھ سکے۔

مسلمان آخر تک اپنی بقاء کی جنگ لڑتے رہے، ان کی تلوار ہمیشہ مظلوم کے دفاع میں اٹھتی ہے، جب انہیں غلبہ حاصل ہو جاتا تو پھر معاشرہ میں امن ہو جاتا، نماز قائم کی جاتی، زکوٰۃ دی جاتی، نیکی کا حکم دیا جاتا، برائی سے روکا جاتا اور ظلم کے خلاف لڑا جاتا۔

---

[1] الحج:39،40۔

"ولولادفع اللہ الناس "اس میں جہاد و قتال کی حکمت کو بیان ہے کہ یہ کوئی نیا حکم نہیں، بلکہ پچھلے انبیاء کرامؑ اور ان کی امتوں کو بھی قتال کے احکام دیئے گئے ہیں، اور اگر ایسا نہ کیا جاتا، تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہ تھی سارے ہی دین و مذہب اور ان کی عبادت گاہیں ڈھادی جاتیں۔[1]

جہاد ایک ایسا ذریعہ جس کی وجہ سے ظالم کو روکا جاسکتا ہے، اور ملک و ملت کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ اس کے ذریعہ اپنے مذہب اور اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ یہی واحد ذریعہ ہے اپنی حفاظت کرنے کا۔ جس کی نظیر قرآن و سنت میں بآسانی مل سکتی ہے۔

[1] قرطبی، ابو عبداللہ محمد انصاری، 12/ 68،67۔

فصلِ دوم

تعارفِ مؤلفین

شیخ عبد الحق محدث دہلوی

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب: عبد الحق بن شیخ سیف الدین بن سعد اللہ بن شیخ فیروز بن شیخ موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری ہے۔ آپ کا نام ونسب کافی مشہور ومعروف ہے اور آپ کی نسب کا سلسلہ آغا محمد ترک سے جا کر ملتا ہے۔

کنیت:

آپ کی کنیت ابو المجد ہے، یہ آپ کی مشہور کنیت ہے اور اسی کنیت کی وجہ سے مشہور ومعروف ہیں۔

پیدائش:

آپ کی پیدائش محرم کے مہینے 958ھ بمطابق سن 1551ء کو دہلی میں ہوئی۔[1]

تعلیم وتربیت:

حضرت شیخ محدثؒ اسلام سوری کے زمانہ سن 958ھ بمطابق سن 1551ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ جب آپ تین سال کے ہوئے ہی تھے، تو آپ کے والد صاحب نے آپ کی بڑی شفقت سے پرورش کی، اور تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اسی ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے دل علم کی لگن اور ذہن میں علم کے صحیح نظریے بھی قائم کر دیے۔

[1] ابو المجد عبد الحق محدث دہلوی، مترجمین: مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، اخبار الاخیار (اکبر بک سیلرز زبیدہ سینٹر 40 اردو بازار لاہور)، ص12،11۔

آپ نے قرآن کی ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے ہی حاصل کی، جس کی برکت تھی کہ صرف تین ماہ میں حضرت شیخ نے پورا کلام پاک ختم کرلیا۔ اس کی بعد ایک مہینے میں آپ لکھنا سیکھ گئے، اور اس قدر کم عرصہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لینا، حضرت شیخ کی غیر معمولی ذہانت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد آپ نے والد کی زیر سرپرستی فارسی وعربی کی تعلیم شروع کی، اور آپ نے جس کی طرف بھی توجہ کی تو بہت جلد اس کو حاصل کرلیا، بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں آپ نے شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، اور پندرہ سولہ سال میں مختصر ومطول، غرض اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کرچکے تھے۔ اس دوران میں آپ نے علماء ماوراء النہر سے بھی اکتساب علم کیا۔[1]

عبادت وریاضت کی ابتداء:

شیخ صاحب نے ابتداء ہی سے علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطن کا بھی پورا خیال رکھا۔ شیخ سیف الدین نے آپ کے قلب میں عشق حقیقی کے ایسے جذبات پھونک دیئے تھے، جو آخر عمر تک آپ کے قلب وجگر کو گرماتے رہے، عبادات وریاضیات کے ساتھ اپنے وقت کے علماء ومشائخ کرام کی صحبت میں رہنے لگے اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔ آپ کو عام لوگوں کی صحبت اور میل جول سے ہمیشہ سخت نفرت تھی، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا، جبکہ شریعت کی بے حرمتی وبے ادبی اور سوم وبدعات اپنے عروج پر تھیں، اکبر شاہ اور اس کے امراء نے بہت کوشش کی کہ آپ بھی ہمارے ساتھ لگ جائیں ، لیکن جس کی قسمت میں تجدید علوم اسلامی اور ترویج شرع کی لکھی ہوئی تھی، وہ اس ماحول میں کیسے ٹھہر سکتا تھا۔ اس دور کے مذہبی حالات سے گھبرا کر آپ حجاز مقدس تشریف لے گئے۔[2]

شیخ صاحب کا سفر حجاز:

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں براہ مالوہ وگجرات احمد آباد سن 996ھ بمطابق 1587ء میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ رمضان سے کافی عرصہ پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے، چنانچہ رمضان 996ھ تک آپ نے وہاں کے محدثین کرام سے صحیح بخاری ومسلم کا درس لیا، پھر آپ شیخ عبد الوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں آپ نے علم

---

[1] مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، اخبار الاخیار:، ص12۔

[2] حقانی، مولانا عبد القیوم، سوانح شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ (القاسم اکیڈمی، سرحد پاکستان 2001ء، 1422ھ) ص97، 95۔

کی تکمیل کرائی اور سلوک و طریقت کی راہوں سے آشنا کیا۔ آپ کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا رہبر کامل مل گیا، غرض شیخ عبد الوہاب متقی سے پورا پورا علم حاصل کیا اور ان سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ آپ نے شیخ کے ساتھ رمضان گذارا اور فریضہ حج بھی ساتھ ہی ادا کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے شیخ کے حکم سے ان کی زیر نگرانی حرن کے ایک حجرہ میں ریاضت وعبادت کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ سے آپ کو عشق تھا، جب بھی دیار محبوب میں پہنچے، تو آپ برہنہ پا ہو جاتے تھے، آپ چار بار زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہوئے اور آپ حجاز میں تین قیام کیا۔[1]

حجاز سے ہندوستان کی طرف واپسی:

علم وفضل کی تمام وادیوں کی سیر کرنے کے بعد شیخ عبد الوہاب متقیؒ نے آپ کو واپس ہندوستان جانے کا حکم فرمایا، لیکن آپ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی، لیکن آپ شیخ کے حکم سے مجبور واپس ہوگئے۔ آپ نے یہ قصد کیا کہ بغداد کے راستہ حضرت شیخ عبد القادرؒ جیلانی کے مزار کی زیارت کرکے ہندوستان واپس ہونگا، لیکن آپ کو شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی، آخر کار شوال 999ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے اس مقدس سر زمیں سے ہندوستان کی طرف رخصت ہوئے۔

آپ سن 1000ھ میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔ آپ نے یہاں واپس آکر دیکھا کہ اکبر کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے، اسلامی شعار کی کھلی تضحیک کی جارہی تھی، تو ایسے روح فرسا حالات میں آپؒ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی، وہاں آپ قرآن وحدیث کے درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور زندگی کے آخری لمحات تک درس وتدریس کو جاری رکھا۔[2]

شیخؒ کے روحانی پیشوا:

آپ نے ابتداء میں اپنے والد محترم سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ حضرت سید موسیٰ گیلانیؒ (سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ) ہیں، ان سے آپ کو بہت عقیدت ومحبت تھی، چنانچہ 6 شوال 985ھ میں حضرت سے وابستہ ہوگئے اور پھر حضرت نے آپ کو اپنی خلافت سے نوازا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ مشہور ترین بزرگ ہیں، جن کی پوری

---

[1] مولانا سجان محمود، مولانا محمد فاضل، اخبار الاخیار، ص:13،12۔

[2] نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی (مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور):119۔

زندگی احیاء سنت وامانت بدعت میں گذری، آپ نے حضرت کے دست حق پر بھی بیعت کیااور ان کی صحبت میں کافی عرصہ رہے۔[1]

شیخ کا وصال:

سن 21 ربیع الاول 1052ھ کو آپ حقیقی مالک سے جاملے۔ آپ نے چورانوے سال تک ہندوستان کی فضاؤں اپنے علم کے نور سے منور رکھا۔ انااللہ واناّالیہ راجعون۔ آپ کو اپنی وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے دفنایا گیااورآپ کی نماز جنازہ شیخ نورالحق نے پڑھائی۔

شیخ کی تصانیف:

آپ کی عمرچورانوے سال تھی، آپ نے اپنی عمر کازیادہ تر حصہ تالیف وتصنیف میں گذرا۔ آپ نے ہر علم و فن پر کتابیں تصنیف فرمائی۔ جن کی کل تعداد60 ہے، اگر رسائل ومکاتیب کو شمار کیا جائے، تو یہ کل تعداد116 تک پہنچتی ہے اور ان میں سے چند مشہور ترین کتب[2] جو شائع ہو چکی ہیں۔

شیخ کے معاصرین:

آپ کے معاصرین[3] کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں چند بہت مشہور ہیں۔

---

[1] نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی:142،136،130۔

[2] ان کے نام بترتیب حروف تہجی ذیل میں درج ہیں:

اخبار الاخیار فی احوال الابرار، آداب الصالحین، آداب اللباس، اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوۃ ، ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار، تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان، توصیل المرید الی المراد بہ بیان، جذب القلوب الی دیار المحبوب، شرح سفر السعادات، شرح فتوح الغیب، فہرس التوالیف، کتاب المکاتیب والرسائل ،ماثبت باسنہ فی ایام السنہ، مدارج النبوت، مرج البحرین، منکات الحق والحقیقت۔

[3] آپ کے معاصرین کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ابو المعالیؒ، شیخ عبداللہ نیازیؒ، نواب مرتضیٰ خان شیخ فرید، عبدالرحیم خان خانان، فیضی، ملاّعبد القادر بدایونی، مرزا نظام الدین احمد بخشیؒ، میر سید طیّب بلگرامیؒ، محمد غوثیؒ۔

شیخؒ کی اولاد:

آپ کے تین فرزند تھے۔ سب سے بڑے بیٹے شیخ نور الحق مشرقی تھے، جو اپنے والد محترم کی طرح صاحب علم و فضل ہوئے اور آپ اپنے بیٹے کو اپنا وجود ثانی کہتے تھے۔ شیخ نور الحق نے بہت سی مفید کتابیں تصنیف فرمائی، جن میں تیسیر القاری کے نام چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے، آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہان کے عہد میں اکبر آباد کی قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا اور جب آپ کا انتقال ہوا تو شیخ نور الحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ شیخ عبد الحق کے دوسرے بیٹے شیخ علی محمد جیّد عالم، بزرگ تھے اور آپ نے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ تیسرے بیٹے شیخ محمد ہاشم تھے، یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے اور محمد ہاشم کے لڑکے محمد عاصم سے آپ کو بہت محبت تھی۔[1]

[1] مولانا سحبان محمود، مولانا محمد فاضل، اخبار الاخیار: ص 15۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب: ہاشم بن عبد الغفور بن عبد الرحمٰن بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن خیر الدین ،السندی ،البتورائی البھرام پوری، التتوی، آپ ٹھٹھہ کے گاؤں بھرام پوری کے رہنے والے تھے،اس زمانہ میں ٹھٹھہ علم وفضل کے لحاظ بہت مشہور ومعروف تھا اور اس زمانہ میں ٹھٹھہ کو باب الاسلام کہا جاتا تھا۔[1]

پیدائش:

آپ بروز بدھ 10 ربیع الاول 1104ھ (بمطابق 19 نومبر، 1692ء) کو ٹھٹہ، سندھ میں مخدوم عبد الغفور ٹھٹوی کے گھر میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے علمی خاندان میں پرورش پائی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو کمال کا حافظہ عطا کیا تھا۔ آپ نے اپنے والد کے پاس ناظرہ اور حفظ کیا۔اس کے ساتھ آپ نے اپنے والد محترم سے فارسی، صرف ونحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھی۔ مزید تعلیم کے لیے آپ نے ٹھٹھہ کی طرف سفر کیا،اس وقت ٹھٹھہ علم وادب کا مرکز تھا اور اس ٹھٹھہ کو باب الاسلام کہا جاتا تھا۔ وہاں مخدوم محمد سعید کے پاس آپ نے عربی کا علم حاصل کیا، عربی کے چار حصے مکمل کیے،اس کے بعد مخدوم ضیاءالدین ٹھٹھوی کے پاس آپ نے علمِ حدیث کی تعلیم حاصل کی اور کتب کی تکمیل کی۔ نو سال کے عرصے میں فارسی اور عربی علوم کی تکمیل کی اور اسی دوران آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا۔[2]

---

[1] http://algazali.org/index.php?threads/4601/الغزالی

[2] قادری،ڈاکٹر عبد الرسول، **مخدوم محمد ہاشم تتوي سوانح حیات اور علمی خدمتون**،(ماہوار صراط الھدیٰ، کراچی)، ص64،63۔

آپ نے تفسیر اور علم حدیث میں کمال پیدا کرنے کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا، اسی سفر کے دوران حج کرنے کے ساتھ حرمین شریفین کے مشہور علماء کرام اور حضرات محدثین کرام سے علمی استفادہ کیا۔ آپ نے وہاں علمِ حدیث، علم فقہ، علم تجوید، علم عقائد، علم اصول حاصل کیا اور اسناد بھی حاصل کیں۔

اساتذہ:

مخدوم محمد ہاشم نے حرمیں شریفیں میں جن علماء کرام سے استفادہ حاصل کیا، ان کا ذکر اپنے رسالہ "اتحاف الاکابر بمرویات الشیخ عبد القادر" میں کیا ہے اور "اتحاف الاکابر" کے مطابق آپ نے حرمین شریفین کے اساتذہ کرام میں ان حضرات کرام کے نام شامل ہیں۔[1]

1. شیخ عبد القادر حنفی صدیقی مکی۔
2. شیخ عبد بن علی مصری۔
3. شیخ محمد ابو طاہر مدنی الکرنی۔
4. شیخ علی بن عبد المالک الدراوی۔

مخدوم محمد ہاشم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے معاصر ہیں۔ اسلئے بعض تذکرہ نگاروں نے دعویٰ کیا کہ مخدوم محمد ہاشم نے محدث دہلوی سے بھی استفادہ کیا۔ مگر یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ مخدوم محمد ہاشم کی محدث دہلوی سے نہ ملاقات ہے اور نہ خط وکتابت اسلئے اس روایت کی تصدیق مشکل ہے۔

بیعت وشیوخ:

علومِ ظاہری کی تکمیل اور حج وزیارتِ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد مخدوم محمد ہاشم نے اپنے باطن کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مرشدِ کاملِ شیخِ طریقت ابو القاسم نقشبندی ٹھٹھوی سے التماس کی کہ آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کے سلوک کی تلقین فرمائیں، مگر شیخِ موصوف نے فرمایا طریقت میں آپ کا حصہ علامہ دہر، صاحب ارشاد اور شیخِ طریقت سید سعد اللہ کے پاس ہے۔ سنہ 1136ھ میں آپ نے سورت کی طرف سفر اختیار فرمایا، سلسلۂ قادریہ میں

---

[1] ٹھٹھوی، مخدوم محمد ہاشم، **بذل القوۃ**، ترجمہ: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی (مظہر علم، کالاطحائی، شاہدرہ روڈ، لاہور) ص46۔

سید سعد اللہ سورتی سے آپ نے بیعت کی، ایک سال آپ کامل شیخ کی صحبت میں رہے، آپ نے شیخ کی تربیت سے صفائے باطن میں کمال پایا، آپ نے خرقۂ خلافت پہنا اور وطن مالوف ٹھٹھہ کو رجوع فرمایا۔[1]

درس وتدریس:

آپ علومِ دینیہ کی تکمیل، صفائے باطن کی تحصیل کے بعد بتوڑہ، پھر بہرام پور واپس تشریف لائے، آپ علومِ دینیہ اور فنونِ ادبیہ کی درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ پھر چند عرصہ بعد آپ نے ٹھٹھہ کا ارادہ کیا۔ اگرچہ اس وقت ٹھٹھہ علماء وفضلاء کرام کا مرکز تھا۔ ادب وشعر کی بہاریں تھیں، مگر آپ نے وہاں کے علماء وفضلائ کے درمیان اپنا مقام پیدا کرلیا، یہاں تک کہ ان کے درمیان آپ فائق ہوئے اور مرجعِ علم وفضل بنے۔ ٹھٹھہ کے وسط میں آپ کا مدرسہ ہے۔ اکثر لوگوں نے آپ سے درسیات کی تکمیل کی۔ جامع مسجد خسرو میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتے اور آپ ہر روز عصر کی نماز کے بعد مسجد میں حدیثِ نبوی کا درس دیا کرتے تھے۔[2]

وفات:

آپ نے سنہ 1174ھ میں ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا، اور آپ کو مکلی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

تصانیف:

آپ عظیم عالم دین تھے اور آپ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی، آپ نے ایک اندازہ کے مطابق 300 کتب فقہ، اسماء الرجال، قواعد، تفسیر، قرآن، سیرت النبی، علمِ عروض، ارکان اسلام، حدیث اور بہت سے اسلامی موضوعات پر عربی، فارسی، سندھی، زبانوں میں تالیف وتصنیف کیں، آپ نے ہر زبان ایسی کتب تالیف وتصنیف کیں جو ہر زبان معرف ومشہور ہیں، ان سے استفادہ حاصل کیا جارہا ہے، یہاں تک آپ کی کتب عرب بھی استفادہ حاصل کررہے ہیں،

---

[1] ایضا:46۔

[2] ایضاً:47،46۔

اپنے مکتبوں میں آپ کی کتب کو طبع اور شائع کیا جارہا ہے۔ آپ کی تمام کتب کا احاطہ تو ممکن نہیں البتہ ان میں کچھ دستیاب کتب[1] کی تفصیل دی جارہی ہے۔[2]

[1]ے عربی:

مظہر الاسلام، وسیلۃ القبول فی حضرت رسول، فاکھۃ البستان، جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم، بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، نفرائض الاسلام۔

فارسی:

حیاۃ الصائمین، فتح القوی فی نسب النبی، مدح نامہ سندہ، الباقیات الصالحات فی ذکر الازواج الطاھرات، حدیقۃ الصفا فی اسماء المصطفیٰ۔

سندھی:

زاد الفقیر، قوت العاشقین، بناالاسلام، تفسیر ہاشمی، تحفۃ التائبین۔

[2]ے قادری، **مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوي سوانح حیات اور علمی خدمتوں**، 225۔

فصلِ سوم

بذل القوۃ اور مدارج النبوت کے اصول و منہج

بذل القوۃ کے اصول و مناہج:

ہر کتاب کے اپنے اصول و منہج ہوتے ہیں، جس کی وجہ وہ کتاب دوسری کتابوں سے ممتاز ہو جاتی ہے، ان اسلوب کے ذریعہ سے اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ملتی ہے۔ اس فصل میں بذل القوۃ اور مدارج النبوت کے اسلوب و منہج بیان کیے جائے گے۔ مندرجہ ذیل ان دونوں کے ترتیب وار اسلوب و منہج بیان کیے جارہے ہیں:

متعارض احادیث کا ذکر کرنا:

صاحبِ بذل القوۃ نے اپنی کتاب میں دو متعارض احادیث کو جمع کیا ہے اور ان احادیث کو اس طرح ذکر کرنے کی کوشش کی ہے کہ تاکہ آپس میں احادیث کا تعارض ختم ہو جائے۔

مثال:

اس کی مثال ایک مشہور روایت سے ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت فاطمۃ بنت خطاب رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ: جس کو زرقانی نے اپنی کتاب شرح مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیان حضرت زینب، حضرت فاطمہ، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کی صاحبزادیاں حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا سے ایمان لانے میں مقدم ہیں۔[1]

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص50،49۔

اس تعارض کو مصنف علیہ رحمہ نے اس طرح ختم کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایمان لائیں، اوراس طرح حضرت خدیجہ اور اس کی صاحبزادیوں کے بعد سب سے ایمان لانے والی عورت حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ٹھٹھوی صاحبؒ متعارض احادیث کے تعارض کو اس طرح ختم کرتے ہیں کہ احادیث میں تعارض باقی نہ رہے اور دونوں احادیث پر عمل بھی ہو جائے۔

راجح مرویات کا ذکر کرنا:

اکثر اہل سیر کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی سیر کی کتابوں میں راجح اور مرجوح روایات کو ذکر کرتے ہیں، جس سے قارئین کو شک وتردد رہتا ہے۔ مگر صاحب بذل القوۃ نے اپنی کتاب میں راجح روایات کو ترجیح دی ہے۔

مثال:

حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ لیکن ہم نے مذکورہ اسلوب کے مثال میں ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادیوں کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا ہیں۔[1]

اس سلسلہ میں مصنف علام نے فرمایا کہ صحیح ترین روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب پہلے ایمان لانے والی والی خاتون حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ٹھٹھوی صاحبؒ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دو طرح کی احادیث (راجح اور مرجوح) کو ذکر کرتے ہیں، لیکن زیادہ تر ترجیح راجح احادیث کو دیتے ہیں۔

مرویات پر حرج وتنقید کرنا:

اگر کسی بڑے عالم دین سے علم حدیث، علم مغازی اور علم سیرت میں غلطی ہو جائے، تو صاحب بذل القوۃ اس غلطی پر بڑی حرج وتنقید کرنے کے ساتھ اس روایت کو درست بھی کرتے ہیں۔

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص50۔

مثال:

امام بخاری کے جلیل القدر محدث ہونے کے باوجود ان پر تنقید کی ہے۔بنی مصطلق (جس کا دوسرا نام غزوۃالمریسیع ہے) کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ یہ غزوہ خندق سے پہلے واقع ہوا ہے۔امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ غزوہ سنہ 4ھ میں واقع ہوا لیکن یہ قول امام بخاری کا ضعیف ہے۔[1]

ٹھٹھوی صاحبؒ نے اپنی سیرت کی کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ احادیث کو ذکر کرنے کے ساتھ ان احادیث کی حرج و تنقید بھی کرتے ہیں کہ آیا وہ احادیث صحیح ہیں یا پھر ضعیف ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کے کنیت کو ذکر کرنا:

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، تو صاحب بذل القوۃ نے ان کی کنیت کے ساتھ ان کے اسماء گرامی بھی ذکر کرتے ہیں۔

مثال:

سنہ 10ھ کے سرایا کے اندر سریہ ابی امامہ باھلی رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ ان نام صدی بن عجلان ہے۔ لیکن آپ اپنی کنیت کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں۔[2]

واقعہ کو صحابی کی مناسبت سے بیان کرنا:

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی غزوہ کسی صحابی کی وجہ سے مشہور ہوا ہے تو صاحب بذل القوۃ نے اس واقعہ کے ساتھ اس صحابی کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے غزوہ مشہور ہوا ہے۔

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص50،51۔

[2] ایضاً:50،51۔

مثال:

سنہ 2ھ کے واقعات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو منادی مقرر کیا اور اس کو ندا کرنے کا حکم کیا کہ جس نے کھانا کھالیا ہے، وہ باقی دن کے حصہ کا کھانا نہ کھائے، اور جس نے نہیں کھایا وہ روزہ کی حالت میں رہے۔ صاحب بذل القوۃ اس کا نام بحوالہ علامہ قسطلانی شارح بخاری ہند بن اسماء بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ رکھا۔[1]

اسماء مشتبہ کی وضاحت کرنا:

مصنف علیہ الرحمۃ اپنی سیرت کی کتاب میں ان اسماء کی وضاحت کی ہے کہ جو نام مؤنث کے ہیں، لیکن اس میں کوئی علامت تانیث موجود نہیں۔

مثال:

غزوہ بدر میں ایک شہید ہونے والے صحابی رسول حارثہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت فرمائی ہے کہ ربیع ان کی والدہ کا نام ہے، یہاں یہ شبہ ہو رہا تھا کہ یہ والد کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی چچی ہیں۔[2]

مختلف فیہ روایات کی وضاحت کرنا:

علامہ نے اپنی کتاب میں غزوات کے متعلق مختلف فیہ روایات ذکر کی ہیں، پھر ان کے اختلاف کے مقام کو بھی ذکر کرتے ہے۔

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوہ، ص50،51۔

[2] ایضاً:50،51۔

مثال:

سنہ 5ھ کے واقعہ کے اندر ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ رضی اللہ عنہا کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کے متعلق مختلف روایات ذکر کی گئیں ہیں کہ یہ واقعہ سنہ 5/ 6 ہجری میں ہوا تھا اور یہاں اختلاف کا مقام غزوہ بنی المصطلق ہے کہ یہ غزوہ سنہ 5 ہجری ہوا یا سنہ 6 ہجری میں۔[1]

ٹھٹھوی صاحب ؒ اپنی کتاب میں مختلف فیہ روایات کو ذکر کرتے ہیں، پھر ان رویات میں جہاں اختلاف پایا جاتا ہے ،اس اختلاف کو ذکر کرتے ہیں، تاکہ روایات میں کوئی ابہام واشکال باقی نہ رہے۔

مشکل الفاظ کی معانی بیان کرنا:

علامہ نے اپنی کتاب میں غزوات کے متعلق جو روایات ذکر کرتے ہیں،اس میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان مشکل الفاظ کے معانی ومفہوم بھی بیان کرتے ہیں۔

مثال:

غزوہ خندق سنہ 5 ہجری کے واقعہ میں ایک لفظ "کدیہ "ذکر کیاہے جو کہ ایک مشکل لفظ ہے جس کے معنی سمجھنادشوار ہے تو آپ نے اس کی معانی کو بیان کر دیا"عظیم چٹان "اسی طرح اور بھی کئی الفاظ کی معانی بیان کی ہے۔[2]

حضرات ائمہ کرام کا اختلاف بیان کرنا:

حضرات ائمہ کرام کا اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو مصنف علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے راجح مذہب کو بھی بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص52۔

[2] ایضاً:52۔

مثال:

سن 6 ہجری میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں علماء احناف اور علماء شوافع کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا نکاح حالت احرام ہوا، یا پھر حالت احرام کے بعد؟ لیکن مصنف علام نے نکاح حالت احرام کو بیان کیا ہے دلائل کے ساتھ۔[1]

ٹھٹھوی صاحبؒ نے اپنی سیرت کی کتاب میں فقہی مسائل میں فقہاء کرام کے اختلافات کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کے دلائل کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ راجح مذہب کو دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

روایات صحیحہ کا ذکر کرنا:

مصنف علام نے اپنی کتاب "بذل القوہ فی حوادث سنی النبوۃ" میں احادیثِ صحیحہ کو زیادہ تر بیان کیا ہے، لیکن اس کے برعکس دیگر اصحابِ سیر و مغازی ہر قسم کی احادیث مبارکہ جمع کر دیتے ہیں۔

مثال:

علماء سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غزوہ ذی قرد، غزوہ حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا ہے، لیکن اس کے بر خلاف امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق غزوہ حدیبیہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے تین رات قبل واقعہ ہوا ہے۔ مصنفؒ نے صحیح بخاری کی روایات کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ: امام بخاری کی روایت صحیح و معتبر ہے اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔[2]

ٹھٹھوی صاحبؒ نے اپنی کتاب میں روایاتِ صحیحہ کے علاوہ اور احادیث بھی بیان کرتے ہیں۔

غیر معروفہ مقامات کی وضاحت:

مصنف علام اپنی کتاب میں غیر معروفہ مقامات کی وضاحت بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص52۔

[2] ایضاً: 53،52۔

مثال:

مقام اخشبان کے بارے میں ذکر کیاہے کہ یہ مقام دو پہاڑیوں کے درمیان مکہ معظمہ کے دو جانب میں واقع ہے۔[1]

اسماء کو اعراب کے ساتھ بیان کرنا:

مصنف علام نے ایسے اسماء جن کو پڑھنے میں لوگوں کو دشواری ہونے کا خدشہ ہو، تو ان اسماء کو اعراب وحرکات کے ساتھ بیان کیاہے، تاکہ لوگ غلط تلفظ سے محفوظ ہو جائے۔

مثال:

سنہ 9 نبوت کے واقعات میں فرمایا کہ اس برس عبد اللہ بن ثعلبہ بن صُغَیر پیدا ہوئے۔ تو یہاں صُغَیر کا اعراب ذکر کردیا کہ یہ تصغیر کا صیغہ صُغَیر ہے۔[2]

مقامات کا محلِ وقوع بیان کرنا:

سیرت کی کتابوں میں ایسے مقامات کا ذکر کیا گیاہے کہ جن کا محلِ وقوع معلوم نہیں ہوتاہے۔ لیکن مصنف علام نے ایسے مقامات کا محلِ وقوع بیان کیاہے۔

مثال:

حمراء الاسد کے بارے میں فرمایا گیاہے کہ یہ جگہ مدینہ منورہ آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ذوالحلیفہ کے راستے کے بائیں جانب واقع ہے۔[3]

---

[1] ہاٹھوی، بذل القوۃ، ص53۔

[2] ایضاً:53۔

[3] ایضاً:54۔

مسائلِ فقہیہ کا استنباط کرنا:

غزوات کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مصنف علام نے ان احادیث سے مسائل فقہیہ کا استنباط کیا ہے۔

مثال:

مخدوم صاحب نے غزوہ احد کے واقعات کے بعد شہداء کے غسل، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بارے میں احکام، فقہاء کرام کے اختلاف کا تذکرہ اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھے جانے، یا نہ پڑھے جانے کے حوالے سے بہت سے مختلف مسائل کا استنباط کیا ہے۔

مصنف علام نے اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے، جو کہ غزوات کے مسائل کے علاوہ اور بہت سے مسائل کا استنباط کیے ہیں۔

سیرت کے موضوع پر بہت سے معترضین نے اعتراضات کیے ہیں، اسی طرح بذل القوہ پر بھی معترضین نے بہت سے اعتراض کیے ہیں لیکن ٹھٹھوی صاحبؒ اُن کا رد کیا اور ان کا تسلی بخش جوابات دیے ہیں۔

احناف کی تائید:

مصنف علام فرماتے ہیں کہ اگر سیرت کی کتب میں ایسی روایت آجائے، جو ظاہراً امام الاعظم امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے خلاف ہو، تو میں اس کی تائید کرتا ہوں اور اس کو وتیرہ سمجھتا ہوں۔

مثال:

سنہ 10ھ کے واقعات میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ حج کے زمانے میں ایک صحابی رسول ﷺ وقوف عرفات کے دن اونٹنی سے گر پڑا، جس کی وجہ سے اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "اس کا منہ اور سر نہ ڈھکو، نہ اسے خوشبو لگاؤ کہ قیامت کے روز تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا"[1]

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص56۔

اس روایت میں حضرات علماء احناف اور حضرات علماء شوافع کے درمیان اختلاف وارد ہوتا ہے۔ حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ ہر احرام والا اگر حالتِ احرام میں فوت ہو جائے تو منہ اور سر نہ ڈھکا جائے اور نہ ہی خوشبو لگائی جائے گی ۔ لیکن حضرات احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس صحابی کے ساتھ خاص تھی جو حالتِ احرام میں فوت ہوا ہے، اس کو کسی اور پر محمول نہ کیا جائے گا اور اس کو دلائل کے بیان کیا ہے۔

مدارج النبوت کے اصول ومناہج

بنیادی مصادر کا بیان کرنا:

شیخ محمد عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب میں ہر بات کو ثابت کرنے کے لیے دلائل کے طور پر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ ذکر کرتے ہیں۔

مثال:

جنگِ بدر میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قرآن کریم کی آیات بیان کی گئی ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿ولاتحسبن الذین قتلوافی سبیل اللہ امواتابل احیاء عندربھم یرزقون﴾[1]

شہداء بدر کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باری تعالی نے ان پر تجلی فرمائی اور فرمایا اے شہیدو! اے میری راہ میں جان کو قربان کرنے والو! مانگو جو چاہو! انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹادے اور ہمیں دنیا میں میں بھیج دے، تاکہ ہم وہاں تیری رضا میں دوبارہ شہید ہوں ------الخ[2]

شیخ صاحب نے شہداءِ بدر کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات کو آیات قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور مصادر بھی بیان کرتے ہیں صرف ان مصادر پر اکتفاء نہیں کرتے ہیں۔

---

[1] آل عمران:169۔

[2] دہلوی، حضرت علامہ شیخ محمد عبد الحق، مدارج النبوت، ترجمہ: الحاج مفتی غلام الدین نعیمیؒ، (عبد اللہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور)، 1/208۔

احادیثِ صحیحہ کا ذکر کرنا:

دہلوی صاحب نے اپنی سیرت کی کتاب میں اکثر ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جو صحیحین میں موجود ہو۔

مثال:

اعمال کی خصوصیات اور طاعون کے بارے میں احادیث ذکر کی گئیں کہ:[1]

(الطاعون شهادة لكل مسلم)[2]

ترجمہ:"طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔"

الطاعون شهادةلامتى ورحمة بهم وزجر على الكفرين

ترجمہ:"طاعون میری امت کے لیے شہادت اور ان کے ساتھ رحمت اور کافروں پر عذاب ہے۔"

مصنف علام نے احادیثِ صحیحہ کے ساتھ اور احادیث (جو صحیحین کے علاوہ ہیں) بھی ذکر کرتے ہیں۔

مسائلِ فقہیہ کا استنباط کرنا:

دہلوی صاحب نے غزوات کے مباحث میں بہت سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے۔

مثال:

غزوہ احد میں شہداءِ احد کی نماز جنازہ اور غسل و تدفین کے مسائل بیان کیے ہیں۔ اسی طرح غزوہ خیبر میں متعہ کا مسئلہ، لحم خمر کا مسئلہ وغیرہ کے مسائل بیان کیے ہیں۔[3]

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت، 1/254۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الطب، باب مایذکر فی الطاعون، ح:5732۔

[3] ایضاً: 1/369، 205۔

مصنف علام نے اپنی کتاب میں غزوات کے علاوہ اور بہت سے مباحث میں فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے۔

حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ذکر کرنا:

دہلوی صاحب نے ان مسائل کے تحت حضرات فقہاء کرام کے اختلاف اور ان کی آراء کو بھی بیان کرتے ہیں۔

مثال:

غزوہ احد میں شہداءِ احد کے نماز جنازہ پڑھنے کے ضمن میں فقہاء کرام کا اختلاف اور ساتھ ان کی آراء بھی بیان کی ہیں۔[1]

خاص اصطلاحات کا ذکر کرنا:

دہلوی صاحب نے اپنی سیرت کی کتاب میں چند مخصوص علامات "فائدہ اور تنبیہات کے تحت اسرار و رموز کو ذکر کرتے ہیں۔

لفظ "وصل" کا ذکر کرنا:

دہلوی صاحب نے لفظ وصل کو اکثر اپنی کتاب میں بیان کیا کرتے ہیں اور اس سے مراد یہ کہ سابقہ مبحث میں جو بات رہ جائے تو اس کو لفظ وصل کے تحت ذکر کر دیتے ہیں۔

مثال:

فتح مکہ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ "وصل" پہلے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی دسویں رمضان آٹھ ہجری چہار شنبہ بعد نماز عصر ان اختلافات کے ساتھ جو تعیین تاریخ میں ہے ہوئی تھی اور داخلہ مکہ مکرمہ اور اس کا فتح ہونا اسی مہینہ کی بیس تاریخ کو ہوا تھا۔ سید عالم ﷺ رمضان کے بقیہ دن اور شوال چھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔[2]

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت، 1/205۔

[2] ایضاً: 1/431۔

اپنی رائے "بندہ مسکین" کے تحت ذکر کرنا:

مصنف علام نے اپنی سیرت کی کتاب میں لفظ "بندہ مسکین" کے تحت اپنی رائے کو بیان کرتے ہیں۔

مثال:

غزوہ احد کے واقعہ میں فرماتے ہیں کہ بندہ مسکین ثبتہ اللہ علی الطریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ فرمان کہ: " لکن حمزة لا بواکی لہ "اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی مصیبت وغربت پر ہمدردی اور غمخواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کیے گئے تھے۔

کتبِ مستفادہ کا ذکر کرنا:

علام مصنف رحمہ اللہ نے مدارج النبوت (حصہ دوم) کی تصنیف میں انہوں نے مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، فتح الباری، طبری، سفر السعادات الاعتدال، ابو النعیم کے رسائل، جمع الجوامع، طبرانی، حاکم کی مستدرک، صحیح بخاری، مسلم شریف، موطا ابو داؤد اور ترمذی سے استنباط اور استدلال کیا ہے اور شمائل نبوی اور سیرت پاک کے بیان میں ان کی روایتوں پر نظر رکھی ہے۔

مشکل الفاظ کی معانی بیان کرنا:

دہلوی صاحب اپنی سیرت کی کتاب کے اندر مختلف مقامات پر مشکل الفاظ کی معانی بھی بیان کرتے ہیں۔

مثال:

مصنف علام نے بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین کی ترسیل کی بحث میں "مکتوب گرامی بنام ہودہ بن حنفی والی یمن" میں لفظِ سبابہ کی معانی کو ذکر کیا ہے، کہ سبابہ بفتح سین و تخفیف یا کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں، اور اسے ملح بھی کہتے ہیں۔ کھجور کے اول حصہ کو طلع، پھر ملح پھر بسر پھر رطب اس کے بعد تمر کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ فن سیر کے

بعض اکابر نے سبابہ کو انگشت سبابہ لکھا ہے اور ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر زمین سے ایک انگلی کی برابر بھی مانگے تو میں نہ دوں۔[1]

مصنف علام نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر مشکل الفاظ کی معانی کو بیان کرتے ہیں اور ان کی تشریح کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت، 2/352۔

بابِ دوم

شہداء اور سماعِ موتیٰ کے مسائل

فصلِ اول: شہادت کی فضیلت اور مقام و مرتبہ

فصلِ دوم: شہید کی نمازِ جنازہ اور تدفین

فصلِ سوم: سماعِ موتیٰ کے مسائل

فصلِ اول

شہادت کی فضیلت اور مقام و مرتبہ

شہداء کے فضائل اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے قرآن کریم کی بہت سی آیات وارد ہوئیں ہیں، احادیث کی کتب شہید کے فضائل اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے بھری پڑی ہیں۔ جن کو ترتیب وار ذکر کیا جارہا ہے:

قرآن کی آیات کریمہ:

شہید کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿وَلاَتَحسَبنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِی سَبِيلِ اللهِ اَموَاتاً بَل احيَاء عِندَ رَبهم يُرزقُون-فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهمْ اللهُ مِنْ فَضْله-----الخ﴾[1]

ترجمہ: "ان لوگوں کو جو اللہ تعالی کے راستے میں شہید ہوئے، تم انہیں مردہ نہ گمان کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق عطا کیا جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالی اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرماتا ہے وہ ان سے خوش ہیں"

یہ آیت جنگ بدر اور جنگ احد کے شہداء کے بارے وارد ہوئی ہے، کیونکہ جس وقت یہ آیت اتری تھی، اس وقت ان ہی دو مشہور جنگوں میں کافی مسلمان شہید ہوئے تھے، اور جہاد میں جانے والے مجاہدین کو منافقین یہ کہہ کر جہاد سے رکاوٹ بنتے تھے کہ جہاد میں انسان کو ناحق قتل کردیا جاتا ہے، تو اللہ سبحانہ وتعالی نے اس آیت میں اس شبہ کو دور کیا ہے، کہ اللہ تعالی کی راہ میں قتل کیا جانا بری بات، یا ناپسندیدہ نہیں، یا کوئی آفت اور مصیبت نہیں ہے، کیونکہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کردیا گیا اللہ تعالی اس کو قتل کے بعد دوبارہ زندہ کردیتا ہے، اس کو انواع واقسام کی نعمتوں، ثواب سے نوازتا ہے، اس کو طرح طرح کے رزق اور خوشیاں عطا فرماتا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی ان کو مردہ نہ مانے، بلکہ ان زندہ مانے اور وہ زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے، بلکہ وہ اخروی زندگی ہے، جو کہ دنیاوی زندگی سے مختلف ہے اور اللہ تعالی کے ہاں ان کے لیے بہت رزق ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔

---

[1] آل عمران:169۔

شہید کے متعلق قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿والشهداء عندربهم لهم اجرهم ونورهم﴾[1]

ترجمہ:"اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر و ثواب اور ان کا نور ہے ان کے پروردگار کے ہاں۔"

اس آیت کے اندر شہید کے اجر و ثواب کو ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت ہی اجر و ثواب ہے جو ان کو مرنے کے بعد عطا کیا جائے گا۔ احادیث میں اس آیت کی مختلف تفاسیر کی گئی ہیں۔

شہید کے بارے قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾[2]

ترجمہ:"اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، تو اللہ تعالی ان لوگوں کے ساتھ ہو گا، جن پر اللہ تعالی نے اپنا فضل کیا یعنی انبیاء، اور صدیقین، اور شہداء، اور صالحین، اور یہ کتنے اچھے دوست ہیں۔"

اس آیت کو ایک خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے دل میں آپ ﷺ کی محبت اپنی جان سے زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی، اپنی اولاد سے بھی، بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کی زیارت کر لوں تب سکون ہوتا ہے، اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے، اور مجھے بھی موت آجائے گی، تو میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ جنت میں انبیاءؑ کے درجات عالیہ میں ہوں گے، اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی، یا نہیں، اگر پہنچ بھی گیا، تو میرا درجہ آپ ﷺ سے بہت نیچے ہو گا، میں وہاں آپ ﷺ کی زیارت نہ کر سکوں گا، تو مجھے کیسے صبر آئے گا؟ اس وقت یہ آیات

---

[1] الحدید:19۔

[2] النساء:69۔

نازل ہوئیں اور آپ ﷺ نے ان کو بشارت سنادی کہ اطاعت گذاروں کو جنت میں انبیاءؑ، اور صدیقین، اور شہداء، اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا، یعنی درجات جنت میں فضیلت، اور اعلی ادنی درجہ ہونے کے باوجود باہم ملاقات و مجالست کے مواقع ملیں گے۔[1]

اس آیت کریمہ میں شہید کے مرتبہ و مقام کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ جنت میں اعلی ہو گا، اور انبیاء کے مقام و مرتبے کے برابر ہو گا، مگر انبیاء اور شہید کے رتبہ کے درمیان صرف نبی ہونے کا فرق ہو گا۔

شہید کے متعلق قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَلاتَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لاتَشْعُرُونَ﴾[2]

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ تو زندہ ہیں، لیکن تمھیں خبر نہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ: ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں، اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے، لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے، اور اسی سے جزاو سزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ کہ اس کی حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک پہنچا ہے کہ اس کا جسم باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا، اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں، پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے، اور انکو دوسرے اموات کے کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی ہے، مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں۔[3]

شہید کے متعلق قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ:

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1/412، 411۔

[2] البقرۃ: 154۔

[3] ایضاً: 1/397۔

﴿وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، اور اللہ تعالی ان کو مقصود تک پہنچائے گا، اور ان کی حالت سنوارے گا جس کی ان کو پہچان کرادے گا۔"

مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کی راہ میں شہید ہوتے ہیں، ان کے اعمال ضائع نہیں ہوتے ہیں یعنی اگر انھوں نے کچھ گناہ بھی کئے ہوں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا ، بلکہ بسااوقات ان کے نیک اعمال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

اگلی آیات میں شہید کے انعامات کا ذکر ہے کہ ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کرے گا۔ دوسرا ان کے سب حالات درست کرے گا۔ حالات سے مراد دنیا و آخرت دونوں جہاں کے حالات ہیں۔ اور تیسرا یہ کہ ان کو صرف یہی نہیں کہ جنت میں پہنچادیا دیا جائیگا، بلکہ انکے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اسمیں ملنے والی نعمتوں حور و قصور سے ایسی واقفیت پیدا کر دی جائے گی کہ جیسے وہ ہمیشہ سے انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے۔[2]

یہ شہید کی شان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی ان کو اپنے انعامات سے نوازتے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں تو ان کو شہادت کا مرتبہ عطا کیا جاتا ہے جو اعلی مرتبہ ہے اور آخرت میں جنت الفردوس کے اندر اعلی مقام سے نوازا جاتا ہے جو ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے۔

شہید کے متعلق قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾[3]

---

[1] محمد:4،5،6۔

[2] مظہری، التفسیر المظہری:7،8/ 424،423۔

[3] آل عمران:157۔

ترجمہ: "قسم ہے اگر اللہ تعالی کی راہ میں شہید کئے جاؤ، یا اپنی موت مرو، تو بیشک اللہ تعالی کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔"

احادیثِ مبارکہ:

شہداء کے فضائل اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے قرآن کریم کی بہت سی آیات کو مندرجہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے اور اب بہت سی احادیث کو شہید کے فضائل اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے ذکر کیا جارہا ہے:

یہاں پر ان احادیث مبارکہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کو صاحب مدارج النبوت اور بذل القوۃ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے چاہے وہ احادیث مکمل احادیث ذکر کی ہیں، یا پھر ان کی طرف صرف اشارہ کیا ہے۔

صحیح مسلم میں شہید کی فضیلت کے بارے حدیث میں ہے کہ:

(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ،لَهَاعِنْدَاللهِ خَيْرٌ،يَسُرُّهَا أَنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى الدُّنْيَا،وَلَا أَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا،إِلَّاالشَّهِيدُ،فَإِنَّهُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ،فَيُقْتَلَ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ-)[1]

ترجمہ: " حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، فرمایا: کوئی بھی ذی روح جو فوت ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بھلائی موجود ہو، یہ بات پسند نہیں کرتا کہ وہ دنیا میں واپس جائے، یا دنیا اور جو کچھ بھی دنیا میں ہے، اس کو مل جائے، سوائے شہید کے، صرف وہ شہادت کی جو فضیلت دیکھتا ہے اس کی وجہ سے اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور اللہ کی راہ میں (دوبارہ) شہید کیا جائے۔"

اس حدیث میں شہید کی فضیلت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ شہید ہر وقت یہی تمنا کرتا ہے، اگر دنیا میں دوبارہ بھیجا جاؤں تو دوبارہ شہید ہو جاؤں اور بار بار یہی تمنا کرتا رہتا ہے۔

---

[1] مسلم بن حجاج قشیری، **صحیح مسلم** (کراچی، مکتبۃ البشری، 1432ھ)، کتاب الامارۃ، باب فضل الشھادۃ فی سبیل اللہ تعالی، ح:4863۔

صحیح مسلم میں شہید کی فضیلت کے متعلق حدیث میں ہے کہ:

(عَنْ قَتَادَةَ،قَالَ:سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ،يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَ مَامِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا،وَأَنَّ لَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ،غَيْرُالشَّهِيدِ،فَإِنَّهُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ،فَيُقْتَلَ عَشْرَمَرَّاتٍ،لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ-)[1]۔

ترجمہ: "حضرت قتادہ سے ایک روایت مروی ہے کہ،انہوں نے کہا:میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: جنت میں داخل ہونے والا کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو یہ پسند کرتا ہو کہ وہ دنیا میں واپس جائے، یا زمین پر موجود کوئی چیز اس کی ہو جائے، سوائے شہید کے، وہ (اپنی) جو عزت افزائی دیکھتا ہے ،اس کی بنا پر یہ تمنا کرتا ہے کہ:وہ دس بار واپس جائے اور قتل کیا جائے۔"

اس حدیث کا مفہوم مندرجہ بالا حدیث کی طرح ایک جیسا ہے مگر عدد کا اختلاف ہے۔

صحیح مسلم میں شہید کی فضیلت کے متعلق حدیث میں ہے کہ:

(عَنْ مَسْرُوقٍ،قَالَ:سَأَلْنَا عَبْدَ اللهِ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ(لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ)[آل عمران:169]قَالَ:أَمَاإِنَّاقَدْسَأَلْنَاعَنْ ذَلِكَ،فَقَالَ:(أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍخُضْرٍ،لَهَاقَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ،تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ،ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ،فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً)فَقَالَ:هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟قَالُوا:أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا،فَفَعَلَ ذَلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ،فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا،قَالُوا:يَا رَبِّ،نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى،فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا-)[2]۔

---

[1] مسلم، صحیح مسلم،کتاب:الامارۃ،باب:فضل الشھادۃ فی سبیل اللہ تعالی،ح:4864۔

[2] مسلم، صحیح مسلم،کتاب الامارۃ،باب بیان ان ارواح الشھداء في الجنۃ وانھم احیاء عندر بھم یرزقون،ح:4881۔

ترجمہ: "مسروق بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی: جو لوگ اللہ تعالی کے راستے میں شہید کئے گئے، ان کو مرے ہوئے نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے بھی اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر رہتی ہیں، ان کے لیے عرش الہیٰ کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، وہ روحیں جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی ہیں، پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں، ان کے رب نے اوپر سے ان کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم (اور) کیا خواہش کریں، ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے اور کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ نے تین بار ایسا کیا (جھانک کر دیکھا اور پوچھا) جب انہوں نے دیکھا کہ ان کو چھوڑا نہیں جائے گا، ان سے سوال ہوتا رہے گا تو انہوں نے نے کہا: اے ہمارے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے یہاں تک کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید کیے جائیں۔ "

اس حدیث میں شہید کے لئے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی ان کو جنت میں داخل کریں گے، ان کو رزق دیں گے، پھر ان کی روحوں کو پرندوں کے قلوب کے اندر داخل کر دیتے ہیں اور وہ جنت کی سیر کرتی ہیں۔ پھر اللہ تعالی ان سے سوال کرے گے کہ کیا چاہتے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں دوبارہ زندہ کیے جائے اور پھر شہید ہو جائے۔

اس حدیث کے تحت مصنف علیہ الرحمہ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جس کو دوسرے باب کے آخر میں ذکر کیا جائے گا۔

صحیح مسلم میں شہید کی فضیلت کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ:

(عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ،قَالَ:هَذَامَا:حَدَّثَنَا أَبُوهُرَيْرَةَ،عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا،وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:يَضْحَكُ اللهُ لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَكِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ،قَالُوا:كَيْفَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ:يُقْتَلُ هَذَا

فَيَلِجُ الْجَنَّةَ،ثُمَّ يَتُوبُ اللهُ عَلَى الْآخَرِ،فَيَهْدِيهِ إِلَى الْإِسْلَامِ،ثُمَّ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ،فَيُسْتَشْهَدُ-)[1]

ترجمہ: "ہمام بن منبہ سے روایت ہے، کہا: یہ احادیث ہیں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیں، انہوں نے متعدد احادیث بیان کیں ان میں سے یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دو شخصوں کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے، ان میں سے ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے اور وہ دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیسے؟ آپ نے فرمایا: یہ شخص شہید کیا جاتا ہے اور جنت کے اندر چلا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ دوسرے (قاتل) پر نظر عنایت فرماتا ہے، اسے اسلام کی ہدایت عطا کرتا ہے، پھر وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور شہید کر دیا جاتا ہے۔"

اس حدیث میں شہید کی فضیلت کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ نبی کریمؐ کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ دو شخصوں کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے، ان میں سے ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے اور وہ دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا، اللہ کے رسول! کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص شہید کیا جاتا ہے اور جنت کے اندر چلا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ دوسرے (قاتل) پر نظر عنایت فرماتا ہے، اسے اسلام کی ہدایت عطا کرتا ہے، پھر وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور شہید کر دیا جاتا ہے۔

مسند امام احمد میں شہید کی فضیلت کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ:

(أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ حَدَّثه وَقَالَ:رَوْحٌ حَدَّثهم: أَنه سَمِعَ رَسُولَ الله ﷺ يقُولُ:مَنْ جَهدَ فِى سَبِيلِ الله،وَقَالَ رَوْحٌ:قَاتَلَ فِى سَبِيلِ الله مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقة فَقَدْ وَجَبَتْ لها الجنة،وَمَنْ سَأَلَ الله الْقَتْلَ مِنْ عِنْدِ نَفْسه صَادِقًا ثُمَّ مَاتَ أَوْقُتِلَ فَله أَجْرُالشهدَاءِ،وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِى سَبِيلِ الله أَوْنُكِبَ نَكْبه فَإِنها تَجِيئُ يَوْمَ

[1] مسلم، **صحیح مسلم**، کتاب الامارۃ، باب بیان الرجلین یقتل احدھما الآخر، ید خلان الجنۃ، ح:4888۔

الْقِيَامة كَأَغْزَرِمَا كَانتْ ،مَا كَانتْ لَوْنها كَالزَّعْفَرَان ،وَرِيحها كَالْمِسْكِ ،وَمَنْ جُرِحَ فِی سَبِيلِ اللہ فَعَلَيِيه طَابَعُ الشهدَاءِ-(وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: كَأَغْزَرِ ،وَرُوْحُ: كَأَغَرِّ ،وَحَجَّاجٌ: كَأَغَرِّ)[1]

ترجمہ: "سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اونٹنی کے فَوَاق کے برابر جہاد کیا، اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی، (فَوَاق سے مراد اتنا وقت ہے، جس میں اونٹنی اپنا دودھ دوہنے والے کے لیے اتار دیتی ہے) اور جس نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کا سوال کیا اور پھر وہ طبعی موت مرا یا شہید ہوا، بہر حال اس کو شہید کا ہی اجر ملے گا، جس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخم لگا یا کسی اور مصیبت میں مبتلا ہوا، تو وہ زخم قیامت والے دن اس طرح ہو گا کہ اس سے زیادہ خون بہنے والا ہو گا، اس کا رنگ زعفران کی طرح ہو گا، اور اس کی خوشبو کستوری کی طرح ہو گی، اور جس کو اللہ کی راہ میں زخم لگے گا، اس پر شہداء کی مہر ہو گی۔ اَغْزَر اور اَغَرّ کا ایک ہی معنی ہے، صرف راویوں کا اختلاف ہے۔"

یہ حدیث میں شہید کی فضیلت کو بیان کر رہی ہے کہ شہید اللہ تعالی قیامت کے دن شہادت کا اجر وثواب دیں گے، اس کا اجر وثواب مختلف حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ لیکن اس حدیث کے اندر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن بھی اس کے زخموں سے خون بہے گا، اس خون کا رنگ زعفران کی طرح ہو گا، اور اس کی خوشبو کستوری کی طرح ہو گی، اور اس پر شہداء کی مہر بھی ہو گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ شہداء کے خون کو خوشبو میں تبدیل کر دیں گے۔

صحیح بخاری میں شہید کی فضیلت کے بارے میں حدیث ہے کہ:

(عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ,قَالَ:لَمَّا حَضَرَأُحُدٌ دَعَانِي أَبِي مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ:مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فِي أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ،وَإِنِّي لَا أَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ،فَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ,وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا,فَأَصْبَحْنَا

[1] مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، المحقق: شعيب الأرنووط- عادل مرشد، وآخرون، إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي۔

فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيلٍ,وَدُفِنَ مَعَهُ آخَرُ فِي قَبْرٍ،ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِي أَنْ أَتْرُكَهُ مَعَ الْآخَرِ فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ،فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً غَيْرَ أُذُنِهِ-)[1]۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب جنگ احد کا وقت قریب آگیا، تو مجھے میرے باپ عبد اللہ نے رات کو بلا کر کہا کہ: مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے پہلا مقتول میں ہی ہوں گا، اور دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرا کوئی مجھے تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے' میں مقروض ہوں اس لیے تم میرا قرض ادا کر دینا، اور اپنی (نو) بہنوں سے اچھا سلوک کرنا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے میرے والد ہی شہید ہوئے، قبر میں آپ کے ساتھ میں نے ایک دوسرے شخص کو بھی دفن کیا تھا۔ پر میرا دل نہیں مانا کہ انہیں دوسرے صاحب کے ساتھ یوں ہی قبر میں رہنے دوں، چنانچہ چھ مہینے کے بعد میں نے ان کی لاش کو قبر سے نکالا دیکھا، تو صرف کان تھوڑا سا گلنے کے سوا باقی سارا جسم اسی طرح تھا جیسے دفن کیا گیا تھا۔ "

یہ حدیث شہید کی فضیلت کو بیان کر رہی ہے کہ شہید قبر میں زندہ ہوتے ہیں لیکن وہ زندگی اخروی ہوتی ہے۔ شہید کی یہ شان ہے کہ اس کو قبر کی مٹی تک نہیں کھاتی بلکہ قبر میں صحیح و سالم ہوتی ہے، جیسا کہ اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ چھ ماہ کے بعد جب شہید کی لاش کو قبر سے نکالا گیا تو شہید کی لاش ویسے کی ویسے باقی تھی اور اس کو قبر کی مٹی تک نہیں چھووا تھا۔

اس حدیث کے متعلق محدث دہلوی صاحب نے اپنی سیرت کی کتاب میں ارباب سیر کا قول ذکر کرتے ہیں کہ چھیالیس سال کے بعد بھی (کسی وجہ سے) بعض شہدائے احد کی قبروں کو کھولا گیا۔ وہ ویسی ہی تر و تازہ مثل غنچہ ہائے، اپنے کفنوں میں تھے۔ تم یہی کہو گے کہ انہیں آج ہی دفن کیا گیا ہے ان میں سے بعضوں کو دیکھا گیا کہ زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جب زخموں سے ہاتھ اٹھا گیا تو زخموں سے تازہ خون بہنے لگا۔ جب ان ہاتھوں کو چھوڑا گیا تو زخموں پر ہی واپس پہنچ گئے۔[2]

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح** (دار طوق النجاۃ)، کتاب: الجنائز، باب: ھَلْ يُخْرَجُ المَيِّتُ مِنَ القَبْرِ وَاللَّحْدِ لِعِلَّةٍ، ح:1351۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 1/211۔

فصلِ دوم

شہید کی نمازِ جنازہ اور تدفین

یہ فصل شہید کی نماز جنازہ اور تدفین کے متعلق ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں، اگر پڑھی جائے گی تو اس کا طریقہ کار کیا ہو گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی تدفین کا بھی ذکر کیا جائے گا۔اس کے بارے میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ان میں بعض احادیث کو یہاں بیان کیا جائے گا جن کو محدث دہلوی نے اور ٹھٹھوی صاحب نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے:

صحیح بخاری میں شہید کی نماز جنازہ اور تدفین کے بارے میں حدیث ہے کہ:

(أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍفِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ،ثمَّ يَقُولُ:أَيُّهُمْ أَكْثَرُأَخْذًالِلْقُرْآنِ؟فَإِذَاأُشِيرَلَهُ إِلَى أَحَدِهِمَاقَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِوَقَالَ:أَنَاشَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ،وَأَمَرَبِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ،وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ،وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ-)[1]

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ احد کے دو دو شہید مردوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیتے، اور پوچھتے کہ ان میں قرآن کس نے زیادہ یاد کیا ہے، پھر جب کسی ایک طرف اشارہ کر دیا جاتا، تو لحد میں اسی کو آگے بڑھاتے، اور فرماتے جاتے کہ: میں ان پر گواہ ہوں۔ آپ ﷺ نے خون سمیت انہیں دفن کرنے کا حکم دیا، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ انہیں غسل دیا۔"

مسند امام احمد میں شہید کی نماز جنازہ اور تدفین کے بارے میں حدیث ہے کہ:

(عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍأَنَّ النِّسَائَ كُنَّ يَوْمَ أُحُدٍ خَلْفَ الْمُسْلِمِينَ يُجهِزْنَ عَلٰی جَرْحٰی الْمُشْرِكِينَ،فَلَوْ حَلَفْتُ يَوْمَئِذٍ رَجَوْتُ أَنْ أَبَرَّ انه لَيْسَ أَحَدٌ مِنَّا يُرِيدُ الدُّنْيَا،حَتَّى أَنْزَلَ اللہ عَزَّوَجَلَّ(مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُالْآخِرة ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنهمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ)فَلَمَّا خَالَفَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺوَعَصَوْا مَاأُمِرُوابه،فُرِدَ رَسُولُ اللہ ﷺفی

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الجنائز، باب مَنْ يُقَدَّمُ فِي اللَّحْدِ، ح:1347۔

تِسْعة سَبْعة مِنَ الْأَنْصَارِ وَرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ وهوَ عَاشِرهمْ،فَلَمَّا رهقُوه،قَالَ:(رَحِمَ الله رَجُلًا رَدّهمْ عَنَّا-)قَالَ:فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَاتَلَ سَاعة حَتّٰى قُتِلَ،فَلَمَّا رهقُوه أَيْضًاقَالَ:(يَرْحَمُ الله رَجُلًا رَدّهمْ عَنَّا)فَلَمْ يَزَلْيَقُولُ ذَاحَتّٰى قُتِلَ السَّبْعة،فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺلِصَاحِبَيه:(مَا أَنْصَفْنَا أَصْحَابَنَا-)فَجَاءَ أَبُوسُفْيَانَ فَقَالَ:اعْلُه بَلُ،فَقَالَ رَسُولُ اللهﷺ(قُولُوا:اَللّه أَعْلٰى وَأَجَلُّ-)فَقَالُوا:الله أَعْلٰى وَأَجَلُّ،فَقَالَ أَبُوسُفْيَانَ:لَنَا عُزّٰى وَلَاعُزّٰى لَكُمْ،فَقَالَ رَسُولُ الله ﷺ(قُولُوا:الله مَوْلَانَا وَالْكَافِرُونَ لَامَوْلٰى لهمْ-)ثُمَّ قَالَ أَبُوسُفْيَانَ:يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ،يَوْمٌ لَنَا وَيَوْمٌ عَلَيْنَا،وَيَوْمٌ نُسَاءُ وَيَوْمٌ نُسَرُّ،حَنْظَلَة بِحَنْظَلَة،وَفُلَانٌ بِفُلَانٍ،وَفُلَانٌ بِفُلَانٍ،فَقَالَ رَسُولُ اللهﷺ(لَا سَوَاءً أَمَّا قَتْلَانَا فَأَحْيَاءٌيُرْزَقُونَ،وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِيُعَذَّبُونَ-)قَالَ أَبُوسُفْيَانَ:قَدْ كَانَتْ فِي الْقَوْمِ مُثْلة،وَإِنْ كَانَتْ لَعَنْ غَيْرِ مَلَإٍ مِنَّا مَا أَمَرْتُ وَلَانهيْتُ وَلَاأَحْبَبْتُ وَلَا كَرهتُ وَلَاسَاءَ نِيْ وَلَا سَرَّنِي،قَالَ:فَنَظَرُوا فَإِذَا حَمْزة قَدْ بُقِرَ بَطْنه وَأَخَذَتْ هنْدُ كَبِده فَلَاكَتهافَلَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَأْكُلها،فَقَالَ رَسُولُ اللهﷺ(أَأَكَلَتْ مِنه شَيْئًا؟)قَالُوا:لَا،قَالَ:(مَا كَانَ الله لِيُدْخِلَ شَيْئًا مِنْ حَمْزَة النَّارَ-)فَوَضَعَ رَسُولُ ﷺحَمْزَة فَصَلّٰى عَلَيه،وَجِيئَ بِرَجُلٍ مِنْ الْأَنْصَارِ،فَوُضِعَ إِلَى جَنْبه،فَصَلّٰى عَلَيه،فَرُفِعَ الْأَنْصَارِيُّ وَتُرِكَ حَمْزة،ثُمَّ جِيءَ بِآخَرَ فَوَضَعه إِلَى جَنْبِ حَمْزة فَصَلَّى عَلَيه،ثُمَّ رُفِعَ وَتُرِكَ حَمْزَة،حَتَّى صَلّٰى عَلَيه يَوْمَئِذٍ سَبْعِينَ صَلَاةً۔)[1]

ترجمہ:"سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:احد کے دن خواتین مسلمانوں کے پیچھے تھیں، اور وہ مشرکین کے زخمی لوگوں کی مرہم پٹی اور خدمت کر رہی تھیں، میں اس روز قسم اُٹھا کر کہہ سکتا تھا کہ:ہم میں سے ایک بھی آدمی دنیا کا خواہش مند اور طالب نہ تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:{مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَة ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنهمْ لِيَبْتَلِيَكُم ...اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے ،اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا

[1] مسند امام احمد، ح:4414، إسناده صحيح على شرط مسلم، عفان-وهو ابن مسلم الصفار-، وشعبة-وهو ابن الحجاج- من رجال الشيخين، وباقي الإسناد ثقات من رجال مسلم۔ إسماعيل بن رجاء: هو ابن ربيعة الزبيدي الكوفي، وأبو الأحوص: هو عوف بن مالك بن نضلة الجشمي۔ وأخرجه الشاشي(724)، والطبراني في "الكبير"(10106) من طريق عفان، بهذا الإسناد.

، تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ جب بعض صحابہ سے نبی کریم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہو گئی اور آپ ﷺ کے حکم عدولی کے مرتکب ہوئے اور حالات نے رخ بدلا تو رسول اللہ ﷺ سات انصار اور دو قریشیوں کے ایک گروپ میں علیحدہ ہو گئے، آپ ﷺ ان میں دسویں فرد تھے، جب کفار آپؐ پر چڑھ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی پر اللہ کی رحمت ہو جو ان حملہ آوروں کو ہم سے ہٹائے۔ آپ ﷺ برابر یہ بات کہتے رہے تا آنکہ ان میں سے سات آدمی شہید ہو گئے اور صرف دو آدمی باقی بچے۔ آپ ﷺ نے اپنے ان دونوں ساتھیوں سے فرمایا: ہم نے اپنے ان ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا (یعنی قریشیوں نے انصاریوں سے انصاف نہیں کیا کہ انصاری ہی یکے بعد دیگرے نکل نکل کر شہید ہوتے گئے، یا ہمارے جو لوگ میدان سے راہِ فرار اختیار کر گئے ہیں، انہوں نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ابو سفیان نے آکر کہا: اے ہبل! تو سربلند ہو تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے جواب میں تم یوں کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ (اللہ ہی بلند شان والا اور بزرگی والا ہے۔) صحابہ نے بلند آواز سے کہا: اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۔ پھر ابو سفیان نے کہا: ہمارا تو ایک عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کہو اللہ ہمارا مدد گار ہے اور کافروں کا کوئی بھی مدد گار نہیں ہے۔ پھر ابو سفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے، آج ہمیں فتح ہوئی ہے، اس روز ہمیں شکست ہوئی تھی، ایک دن ہمیں برا لگا اور ایک دن ہمیں اچھا لگا، حنظلہ کے مقابلے میں حنظلہ، فلاں کے فلان مقابلے میں اور فلاں بالمقابل فلاں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتولین زندہ ہیں، انہیں اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں، انہیں عذاب سے دوچار کیا جاتا ہے۔ ابو سفیان نے کہا: تمہارے یعنی مسلمانوں کے مقتولین کا مثلہ کیا گیا ہے، یہ کام ہماری رائے یا مشاورت کے بغیر ہوا ہے، میں نے نہ اس کا حکم دیا اور نہ اس سے روکا۔ اور میں نے اسے پسند یا ناپسند بھی نہیں کیا، مجھے اس کا نہ غم ہوا ہے اور نہ خوشی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب شہدائے کرام کو دیکھا تو سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کیا گیا تھا، ابو سفیان کی بیوی ہند نے ان کا جگر نکال کر اسے چبایا،

مگر وہ اسے کھانہ سکی، رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا کہ: کیا اس نے اس میں سے کچھ کھایا تھا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ حمزہ کے جسم کے کسی بھی حصہ، یا اس کے جزء کو جہنم میں داخل کرنے والا نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت کو سامنے رکھ کر ان کی نماز جنازہ ادا کی، بعد ازاں ایک انصاری رضی اللہ عنہ کی میت کو لایا گیا، اسے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ کر اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی، انصاری کی میت کو اُٹھالیا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت کو وہیں رہنے دیا گیا، پھر ایک اور شہید کو لایا گیا، اسے بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ کر اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی، پھر اسے اُٹھالیا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو وہیں رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ اس روز نبی کریم ﷺ نے ان کی نماز جنازہ ستر بار ادا فرمائی۔"

یہاں پر دو مختلف احادیث ذکر کی گئی ہیں ایک حدیث میں نماز جنازہ کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں نماز جنازہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی کتب میں فقہاء کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے کہ اس کی مکمل تفصیل شرح سفر السعادۃ میں ذکر کی ہیں لہذا اس تفصیل کو مندرجہ ذیل میں ذکر کیا جائے گا:

شرح سفر السعادۃ میں نماز جنازہ کے مسئلہ بارے میں فقہاء کرام کے اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے، اس مسئلہ میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے۔

"امام شافعیؒ اور امام مالکؒ شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے ہیں۔ امام احمدؒ سے دو قول مروی ہیں اور انکے ان دو مذاہب اور اقوال میں سے مشہور اور مختار قول عدم نماز جنازہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل حدیث حنظلہ بن ابی عامر والی ہے۔ امام احمدؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔"[1]

اس مسئلہ کے بارے میں ٹھٹھوی صاحب نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ پھر شہداء کی نماز اس طرح پڑھی کہ ہر شہید کے جنازہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رکھتے اور اس کی نماز ادا کرتے۔ اسی طرح حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ستر بار پڑھی گئی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر شہید کی نماز ادا فرمائی اور ہر جنازہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے

---

[1] شیخ مجد دی شیر ازی، شرح سفر السفادہ (کتابخانہ مجلس شورای اسلامی، جمہوری اسلامی ایران) ص:197،196۔

پہلو میں رکھا جاتا پھر نماز ادا کی جاتی۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ستر بار نہیں پڑھی۔ علمائے احناف نے اسی روایت کو بنیاد بنا کر فرمایا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ایک قول کے مطابق حضرت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کی نماز جنازہ ادا نہ فرمائی۔ اس روایت کی بنا پر شافعی علماء کا کہنا ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ ادا نہ کی جائے۔[1]

تدفین:

شہداء کی تدفین کے متعلق صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

(أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُولُ: أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ, وَقَالَ: أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ، وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ.)[2]

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دو دو شہید مردوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیتے، اور پوچھتے کہ: ان میں قرآن کس نے زیادہ یاد کیا ہے؟ پھر جب کسی ایک طرف اشارہ کر دیا جاتا، تو لحد میں اسی کو آگے بڑھاتے، اور فرماتے جاتے کہ: میں ان پر گواہ ہوں۔ آپؐ نے خون سمیت انہیں دفن کرنے کا حکم دیا، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ انہیں غسل دیا۔"

اس حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ جس شہید کو زیادہ قرآن یاد ہے اس کو لحد میں پہلے اتارا جائے، یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جن شہداء کے درمیان الفت و محبت زیادہ تھی ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو جو ان کے بھانجے تھے ایک ہی قبر میں رکھا گیا۔ اسی طرح کسی کسی میں تین تین شہیدوں کو یکجا دفن کیا گیا۔[3]

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص332، 331۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الجنائز، باب: من یقدم فی اللحد، ح: 1347۔

[3] دہلوی، مدارج النبوت: 2/205۔

حضرت عبید بن الحاث رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مسئلہ:

غزوہ بدر میں جب مسلمان لشکر کفار کے مدمقابل ہوئے، تو اس دوران حضرت عبید بن الحارث رضی اللہ عنہ کے زانو پر ایک ضرب پڑی اور شدید زخمی ہوئے۔ حضرت عبید بن الحارث رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں لایا گیا کہ: ان کی پنڈلیوں کا مغز بہہ رہا تھا۔ حضرت عبید بن الحارث رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یارسول اللہ کیا میں شہید نہیں ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم شہید ہو۔ حضرت عبید بن الحارث رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اس وجہ سے تھا کہ ان کی شہادت دیر میں واقع ہوئی تھی اور حالت جنگ میں جان نہ دے سکے تھے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف[1] ہے۔[2]

شہداء کی ارواح پرندوں کی قلوب میں جنت کا سیر کرنے کا مسئلہ:

یہاں پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ " شہید کی روح کو پرندے کے قلوب میں جنت کی سیر کرانا " جس پر مختلف اعتراض کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک اعتراض یہ ہے کہ شہید کی روح کو پرندے کے قلوب میں جنت کی سیر کرائی جاتی ہے، اس سے انسان کی تنقیص لازم آتی ہے، کیونکہ مرتبہ انسانی سے گھٹا کر مرتبہ حیوانی میں لانا ایک قسم کی تنقیص ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا اس سے ان کی تنقیص مراد نہیں ہے، بلکہ ان کی صورت ان جواہرات جیسی ہے جو صندوق وظروف میں رکھے جاتے ہیں۔ لیکن پھر اس پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں سے ان کا لذت پانا اور وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز کیسے ہونگے؟ اس کا جواب اس طرح دیا گیا کہ وہ جنتی پرندے، انسانی ابدان ہیں جن میں حواس انسانی کو رکھا گیا ہوگا، گویا کہ وہ آدمی ہی ہیں مگر صورت پرندوں کی ہیں۔ جس طرح کہ دنیا میں انسانوں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ جنت میں پرندوں کی صورت میں ہوں گی۔ پھر اس پر تیسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس سے تناسخ یعنی آواگوں کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ روح ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں داخل ہوگئی ہے۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ

---

[1] ان تمام مندرجہ ذیل اعلام کی کتب میں مذکور ہے کہ حضرت عبیدۃ بن الحارث شہید ہیں (الکتاب: سیر أعلام النبلاء، المؤلف: شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان بن قَایْماز الذهبي (المتوفی: 748ھ)، المحقق: مجموعة من المحققین بإشراف الشیخ شعیب الأرناؤوط، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الثالثة، 1405ھ/ 1985م، عدد الأجزاء: 25 (23 ومجلدان فهارس)۔ الکتاب: تهذیب الأسماء واللغات، المؤلف: أبو زکریا محیي الدین یحیی بن شرف النووي (المتوفی: 676ھ)، عنیت بنشره وتصحیحه والتعلیق علیه ومقابلة أصوله: شرکة العلماء بمساعدة إدارة الطباعة المنیریة، یطلب من: دار الکتب العلمیة، بیروت - لبنان، عدد الأجزاء: 4۔ الکتاب: أسد الغابة، المؤلف: أبو الحسن علي بن أبي الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیباني الجزري، عز الدین ابن الأثیر (المتوفی: 630ھ)، الناشر: دار الفکر - بیروت، عام النشر: 1409ھ - 1989م۔ الکتاب: الطبقات الکبری، المؤلف: أبو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفی: 230ھ)، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت، الطبعة: الأولی، 1410ھ - 1990م، عدد الأجزاء: 8)

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 2/141۔

تناسخ کا بطلان دنیا میں ہے کہ وہ حشر ونشر کو باطل بناتا ہے۔اس جگہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ بدن برزخ میں ہے جہاں وہ بطور امانت ہے،اور اس کے ساتھ متعلق ہے جسے دور کر دیا جائے گا،اور یہ (حشر میں) بدن اصلی میں داخل ہو جائیں گے۔

اس مسئلہ کے جواب میں اس کے علاوہ مصنف علیہ الرحمہ بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں:

بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ شہداء کی ارواح،ان پرندوں کے ساتھ متمثل اور متجسد ہوں گی۔لیکن یہ قول ظاہر حدیث کے منافی ومخالف ہے۔کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ:

(يَدْخُلُ فِيْ جَوْفِ طُيُوْرٍ)[1]۔

ترجمہ:"پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔"

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید عالم برزخ میں مرتبہ طیور پر رکھا ہو اور بعد از حشر ونشر ابدان اصلی پیدا کر کے مرتبہ انسانی میں پہنچا دیا جائے۔[2]

مصنف علیہ الرحمۃ نے مواہب لدنیہ میں سے مسند امام احمد کی حدیث کا تذکرہ کیا ہے کہ:

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ أَ رْوَاحهم فِى أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْر،تَرِدُ أَنهارالجَنة،تَأْكُلُ مِن ثمارها وَتَأْوِى إِلٰى قَنَادِيلَ مِنْ ذهب فِى ظِلِّ الْعَرْشِ،فَلَمَّا وَجَدُواطيب مشربهم وماكهم وَحُسْنَ منقلبهم قَالُوْا:يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُونَ بِمَا صَنَعَ اللهُ لَنَا،لِئَلَّايزهدوا فِى الجهاد وَلَايَنْكُلُواعَنْ الْحَرْبِ،فَقَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ:أَنَاابلغهم عنكم.فَأَ نْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ هولاء الْآيَاتِ عَلٰى رسوله:((وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِى سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ)[3]۔

---

[1] مسند امام احمد،ح:2388،حديث حسن، أبو الزبير المكي-وهو محمد بن مسلم بن تدرس-لم يسمع من ابن عباس،وبينهما في هذا الحديث سعيد بن جبير كما سيأتي في الحديث الذي بعده.

[2] دہلوی، مدارج النبوت:2/209،210۔

[3] مسند امام احمد،ح:2388،حديث حسن، أبو الزبير المكي-وهو محمد بن مسلم بن تدرس-لم يسمع من ابن عباس،وبينهما في هذا الحديث سعيد بن جبير كما سيأتي في الحديث الذي بعده. وهو في "سيرة ابن هشام" 3/126 عن ابن إسحاق. وأخرجه ابن أبي شيبة 5/294-295،وهناد في "الزهد"(155)،وابن أبي عاصم في "الجهاد"(194) من طريق محمد بن فضيل،وابن أبي عاصم (195) من طريق إسماعيل بن عياش،والطبري4/170-171 من طريق سلمة بن الفضل وإسماعيل بن عياش، ثلاثتهم عن محمد بن إسحاق، بهذا الإسناد۔

ترجمہ: "سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندں میں ڈال دیں، وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش الٰہی کے سائے میں سونے کی قندیلوں میں جگہ پکڑتے ہیں، جب انہوں نے کھانے پینے کی یہ عمدگی اور اپنے ٹھکانے کی خوبصورتی دیکھی تو انھوں نے کہا: کاش ہمارے دنیا والے بھائیوں کو معلوم ہو جائے کہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کس قدر اچھا سلوک کیا ہے، تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے روگردانی نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہارا یہ پیغام تمہاری طرف سے تمہارے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِم يُرْزَقُوْنَ}... اور تو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیے گئے، ہرگز مردہ گمان نہ کر، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔"

مذکورہ بالا قرآن کریم کی آیت اور حدیث مبارکہ میں شہداء کے فضائل کو بیان کیا ہے کہ جنت میں ان شہداء کو پرندوں کے قلوب میں جنت کی سیر کرائی جائے گی، یہ صرف جنت کی سیر و تفریح کرانے کی وجہ سے ہوگا کہ وہ جنت میں جہاں چاہے سیر کرے اور گھومے پھرے اور جہاں چاہے کھائے پیئے، یہ صرف ان شہداء کا مقام و مرتبہ ہے اور پرندوں کے قلوب میں ہونا صرف اور صرف جنت تک ہے۔ لیکن حق تعالیٰ اس کے جسم کی طرف لوٹائے گا جس دن (قیامت) کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔

فصلِ سوم

سماعِ موتیٰ کے مسائل

یہ فصل سماعِ موتیٰ کے متعلق ہے جو کہ برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، جس کو صاحبِ مدارج النبوۃ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس بنا پر میں نے اپنی تحقیق کا موضوعِ بحث بنایا ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

اس مسئلہ کو مختلف احادیث میں ذکر کیا گیا ہے جس کی طرف محدث دہلوی صاحب نے اپنی سیرت کی کتاب میں ذکر کیا ہے جن کو مندرجہ ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے:

صحیح بخاری میں سماع موتیٰ کے متعلق حدیث میں ہے کہ:

(اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَهْلِ الْقَلِيبِ,فَقَالَ:وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَرَبُّكُمْ حَقًّا،فَقِيلَ لَهُ:تَدْعُوأَمْوَاتًا،فَقَالَ:مَاأَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَايُجِيبُون-)[1]۔

ترجمہ: "نبی کریم ﷺ کنویں والوں (جس میں بدر کے مشرک مقتولین کو ڈال دیا گیا تھا) کے قریب آئے اور فرمایا تمہارے مالک نے جو تم سے سچا وعدہ کیا تھا اسے تم لوگوں نے پالیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: آپؐ مردوں کو خطاب کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم کچھ ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو البتہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ "

صحیح بخاری میں سماع موتیٰ کے بارے میں دوسری حدیث ہے کہ:

(أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيدِ قُرَيْشٍ,فَقُذِفُوا فِي طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيثٍ مُخْبِثٍ,وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ,فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍالْيَوْمَ الثَّالِثَ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهِ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا,ثُمَّ مَشَى وَاتَّبَعَهُ أَصْحَابُهُ،وَقَالُوا:مَانُرَى يَنْطَلِقُ إِلَّا لِبَعْضِ حَاجَتِهِ حَتَّى قَامَ عَلَى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ يَافُلَانُ بْنَ فُلَان،وَيَافُلَانُ بْنَ فُلَانٍ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الجنائز، باب: ماجاءَ فِي عذابِ القبرِ، ح:1370۔

أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ,فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا,فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟قَالَ:فَقَالَ عُمَرُ:يَارَسُولَ اللَّهِ مَاتُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَاأَرْوَاحَ لَهَا،فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ,مَاأَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَاأَقُولُ مِنْهُمْ،قَالَ قَتَادَةُ:أَحْيَاهُمُ اللَّهُ حَتَّى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهُ تَوْبِيخًا وَتَصْغِيرًا وَنَقِيمَةً وَحَسْرَةً وَنَدَما-) [1]

ترجمہ: "بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے چوبیس مقتول سردار بدر کے ایک بہت ہی اندھیرے اور گندے کنویں میں پھینک دیئے گئے۔ عادت مبارکہ تھی کہ جب دشمن پر غالب ہوتے تو میدان جنگ میں تین دن تک قیام فرماتے جنگ بدر کے خاتمہ کے تیسرے دن آپ کے حکم سے آپ کی سواری پر کجاوہ باندھا گیا اور آپ روانہ ہوئے آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ تھے صحابہ نے کہا، غالباً آپ کسی ضرورت کے لیے تشریف لے جارہے ہیں آخر آپ اس کنویں کے کنارے آکر کھڑے ہو گئے اور کفار قریش کے مقتولین سرداروں کے نام ان کے باپ کے نام کے ساتھ لے کر آپ انہیں آواز دینے لگے کہ اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا آج تمہارے لیے یہ بات بہتر نہیں تھی کہ تم نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ بیشک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہمیں پوری طرح حاصل ہو گیا تو کیا تمہارے رب کا تمہارے متعلق جو وعدہ (عذاب کا) تھا وہ بھی تمہیں پوری طرح مل گیا؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس پر عمر رضی اللہ عنہ بول پڑے: یارسول اللہ! آپ ان لاشوں سے کیوں خطاب فرمارہے ہیں؟ جن میں کوئی جان نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ اسے نہیں سن رہے ہو۔ "قتادہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا (اس وقت) تاکہ نبی کریم ﷺ انہیں اپنی بات سنادیں ان کی توبیخ، ذلت، نامرادی اور حسرت وندامت کے لیے۔"

صحیح مسلم میں سماع موتیٰ کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ:

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، باب: قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ، ح:1689۔

(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَتَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ وَكُنْتُ رَجُلًا حَدِيدَ الْبَصَرِ فَرَأَيْتُهُ وَلَيْسَ أَحَدٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَآهُ غَيْرِي قَالَ فَجَعَلْتُ أَقُولُ لِعُمَرَ أَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا يَرَاهُ قَالَ يَقُولُ عُمَرُ سَأَرَاهُ وَأَنَا مُسْتَلْقٍ عَلَى فِرَاشِي ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍفَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِينَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالْأَمْسِ يَقُولُ هَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ قَالَ فَقَالَ عُمَرُفَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَاأَخْطَئُوا الْحُدُودَ الَّتِي حَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجُعِلُوا فِي بِئْرٍبَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَهَى إِلَيْهِمْ فَقَالَ يَافُلَانَ بْنَ فُلَانٍ وَيَافُلَانَ بْنَ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَاوَعَدَكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ حَقًّا،فَإِنِّي قَدْوَجَدْتُ مَاوَعَدَنِي اللَّهُ حَقًّا،قَالَ عُمَرُيَارَسُولَ اللهِ كَيْفَ تُكَلِّمُ أَجْسَادًا لَاأَرْوَاحَ فِيهَا قَالَ مَاأَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَاأَقُولُ مِنْهُمْ غَيْرَأَنَّهُمْ لَايَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَرُدُّوا عَلَيَّ شَيْئًا-)[1]۔

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، تو ہم نے پہلی کا چاند دیکھنے کی کوشش کی، میں تیز نظر انسان تھا میں نے چاند کو دیکھ لیا۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس کا خیال ہو کہ اس نے اسے دیکھ لیا ہے۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ نے) کہا: پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟ چنانچہ انھوں نے اسے دیکھنا چھوڑ دیا کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے عنقریب میں اپنے بستر پر لیٹا ہوں گا تو اسے دیکھ لوں گا، پھر انھوں نے ہم سے اہل بدر کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پہلے ہمیں بدر (میں قتل ہونے) والوں کے گرنے کی جگہیں دکھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ ان شاء اللہ! کل فلاں کے قتل ہونے کی جگہ یہ ہو گی۔ کہا: تو حضرت عمر نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا! وہ لوگ ان جگہوں کے کناروں سے ذرا بھی ادھر اُدھر (قتل) نہیں ہوئے تھے جن کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) کہا: پھر ان (کی لاشوں) کو ایک دوسرے کے اوپر کنویں میں ڈال دیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل کر ان کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے فلاں بن فلاں، اور اے فلاں بن فلاں

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب: الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب: عرض مقعد الميت من الجنة او النار عليه، اثبات عذاب القبر والتعوذ منه، ح: 2873۔

!، کیا تم نے اللہ اور اس کے رسول سے کیے ہوئے وعدے کو سچا پایا؟ بلاشبہ میں نے اس وعدے کو بالکل سچا پایا ہے جو اللہ نے میرے ساتھ کیا تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول اللہ! آپ کیسے ان جسموں سے بات چیت کر رہے ہیں، جن میں روحیں نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم لوگ اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ مگر وہ میری بات کا کوئی جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

صحیح مسلم میں سماع موتیٰ کے بارے میں دوسری حدیث مبارکہ ہے کہ:

(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺتَرَكَ قَتْلَى بَدْرٍثَلَاثًا ثُمَّ أَتَاهُمْ فَقَامَ عَلَيْهِمْ فَنَادَاهُمْ فَقَالَ يَاأَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ يَاأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ يَاعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ يَاشَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ أَلَيْسَ قَدوَجَدْتُمْ مَاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا،فَإِنِّي قَدْوَجَدْتُ مَاوَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا،فَسَمِعَ عُمَرُقَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَسْمَعُوا وَأَنَّى يُجِيبُوا وَقَدْجَيَّفُوا قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَاأَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَاأَقُولُ مِنْهُمْ وَلَكِنَّهُمْ لَايَقْدِرُونَ أَنْ يُجِيبُوا ثُمَّ أَمَرَبِهِمْ فَسُحِبُوا فَأُلْقُوا فِي قَلِيبِ بَدْرٍ-)[1]۔

ترجمہ:" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک بدر کے مقتولین کو پڑا رہنے دیا۔ پھر آپ گئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر ان کو پکار کر فرمایا: اے ابوجہل بن ہشام!، اے امیہ بن خلف!، اے عتبہ بن ربیعہ!، اے شیبہ بن ربیعہ!، کیا تم نے وہ وعدہ سچا نہیں پایا، جو تمھارے رب نے تم سے کیا تھا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے، جو اس نے میرے ساتھ کیا تھا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو عرض کی: اللہ کے رسول اللہ! یہ لوگ کیسے سنیں گے اور کہاں سے جواب دیں گے، جبکہ وہ تو لاشیں بن چکے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اس بات کو جو میں ان سے کہہ رہا ہوں ان کی نسبت زیادہ

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب: الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب: عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ، اثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، ح: 2874۔

سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو انھیں گھسیٹا گیا اور بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔"

صحیح مسلم میں سماع موتیٰ کے بارے میں دوسری حدیث مبارکہ ہے کہ:

(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَاوُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَاانْصَرَفُوا-)[1]۔

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مردہ کو رکھا جارہا ہوتا ہے، تو وہ مردہ واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔"

قائلینِ سماعِ موتیٰ:

یہ تمام احادیث صحیح اور متفق علیہ ہیں۔ مردوں کے سننے اور ان کو علم وشعور حاصل ہونے کا صریح ثبوت موجود ہے۔ کیونکہ جو کچھ حضور ﷺ نے خطاب فرمایا ان کو حاصل ہوا۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ: دفنانے والے جس مردہ کو دفن کرکے لوٹتے ہیں، تو مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان اہل بقیع کی زیارت کے سلسلے میں مروی ہے کہ: ان کو سلام کرو، اور اس میں ان کو خطاب کرو، اور کہو کہ اے قبر میں رہنے والو تم پر سلام ہو۔ اے مسلمانو تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور انشاءاللہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہونے والے ہیں۔[2]

قائلینِ سماعِ موتیٰ کے دلائل: قائلین سماع موتیٰ ان تمام احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن احادیث کو اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب: الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب: عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ، اثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، ح: 2870۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت، 2/152، 153۔

یہ تمام کی تمام وہ احادیث ہیں جو سماع موتی کے قائلین ہیں اور ان کے دلائل (مندرجہ بالا احادیث) ہیں۔اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب محدث دہلوی کا بھی یہی مذہب ہے۔اب اس کے بعد ان حضرات کا مذہب بیان کیا جارہاہے جو سماع موتی کے عدم قائلین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

عدم قائلینِ سماعِ موتیٰ:

شیخ ابن الہمام، شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اکثر اسلاف کا مذہب یہ کہ مردے نہیں سنتے ہیں، اور وہ کتاب الایمان میں تصریح کرتے ہیں کہ: اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ: وہ اس سے بات چیت نہیں کرے گا، پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو وہ حانث یعنی قسم توڑنے والا نہ ہو گا۔اس لئے کہ وہ قسم اسی پر منعقد ہوتی ہے جو فہم کی حیثیت و قابلیت رکھتا ہو اور مردہ ایسا نہیں ہے۔[1] عدم قائلین سماع موتی کا کہنا ہے کہ: مردے نہیں سنتے ہیں اور ان سے کلام کرنے والا بھی حانث نہیں ہو گا، کیونکہ مردوں میں فہم کی حیثیت و قابلیت نہیں ہوتی ہے۔

عدم قائلینِ سماعِ موتیٰ کے دلائل: عدم قائلین سماع موتیٰ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس روایت کی گئی تو انہوں نے نے فرمایا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کر فرماسکتے ہیں، حالانکہ حق تعالی فرماتا ہے کہ:

﴿اِنَّکَ لَاتُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی﴾[2]

ترجمہ: "بیشک آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں۔"

دوسری جگہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿وَمَآاَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ﴾[3]

ترجمہ: "اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔"

---

[1] ایضا:2/153،152۔

[2] فاطر:22۔

[3] النمل:80۔

وہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ: نبی کی مراد یہ ہے کہ تم کہو، تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا حق ہے، اور کہا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم کی جگہ سماعت کا وہم ہوا، کیونکہ موتیٰ کو انتقال کے بعد آخرت کی حقیقت کا علم حاصل ہوتا ہے، غرضیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتیٰ کا انکار کیا ہے، اور انہوں نے قرآنی دو آیتوں سے استدلال کیا جو مذکور ہوئیں۔[1]

عدم قائلینِ سماعِ موتیٰ کے دلائل کے جوابات:

یہ حضرات علماء کرام مسلم کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ: مردہ کا لوگوں کی جوتیوں کی آواز سننا اس پر ناطق ہے کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منکر نکیر کے سوال کا پیش خیمہ ہے۔[2]

جیسا کہ سماع موتیٰ کا تعلق ہے تو اس میں دونوں طرف سے اکابر و اسلاف کے دلائل موجود ہیں، درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن مواقع میں روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے، وہاں پر سننے کا عقیدہ رکھا جائے، اور جہاں روایات صحیحہ سے ثابت نہیں ہے، وہاں پر دونوں احتمال ہیں، اس لیے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے، اور نہ ہی قطعی نفی کی گنجائش ہے۔

مردے مطلق طور پر نہیں سنتے، انسان جو بات بھی سنانا چاہیے وہ انہیں نہیں سنا سکتا، جیسا کہ قرآن میں موجود ہے(وهم عَنْ دعأهم غٰفِلُوْن- بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔) لیکن اللہ تعالی مردوں کو سنانے پر قادر ہیں جیسا کہ بہت سی روایات سے ملتا ہے۔ مردے کے دفن کرنے کے بعد پاؤں کا آواز سننا، غزوہ بدر کے موقعہ پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کے بعد آواز دینا یا بلانا۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ (سماع موتی) کو کافی حد تک اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن مکمل تفصیل کے لیے شرح مشکوۃ کی طرف اشارہ کیا

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت 2/152,153.

[2] ایضا: 2/153,152.

ہے لہذا مزید تفصیل کے لیے مشکوۃ کی شرح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس تفصیل کو حاشیہ[1] کے اندر مختصرا بیان کیا جائے گا۔

[1] سماع موتی کے مسئلہ کی دو صورتیں بنتی ہیں ان میں سے ایک صورت انبیاء کی اور دوسری صورت غیر انبیاء کے متعلق ہے۔ حضرات انبیاء کرام کا اپنی قبور میں سننا اہل السنۃ والجماعت کے تمام ائمہ کرام میں متفق علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی معتد بہ عالم نے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن یہاں جو اختلاف ہے وہ حضرات انبیا کرام کے علاوہ باقی موتی کے سماع کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اختلاف رہا ہے۔ سلف اہل حق کی کے اس کے بارے میں دونوں قول ہیں۔ بعض اسلاف نے سماع موتی کا انکار کیا ہے اور بعض نے اثبات کیا ہے۔ (اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے اشرف التوضیح شرح مشکوۃ المصابیح، نذیر احمد، مکتبہ العارفی، ص70،69،68،67،66،65،264، ج اول، کی طرف رجوع فرمائیں)۔

بابِ سوم

غزوات میں عبادات سے متعلق مسائل

فصلِ اول: نماز، قضا کی صورتیں اور صلاۃِ خوف

فصلِ دوم: تیمم اور موزوں پر مسح کے مسائل

فصلِ سوم: معاشرتی مسائل

فصلِ اول

نماز، قضا کی صورتیں اور صلاۃِ خوف

نماز:

نماز اسلام کا دوسرا بنیادی اہم رکن ہے، نماز کو تمام فرائض میں سے بہت اہمیت حاصل ہے اور نماز تمام عبادتوں میں افضل و اشرف اور اتم و اکمل عبادات ہے۔ نماز ہر وہ مسلمان جو عاقل و بالغ ہے اس پر پانچ وقت نماز فرض ہے۔ نماز کی فرضیت اور اس کو قائم کرنے کے متعلق قرآن کی بہت سی آیات نازل ہوئیں ہیں اور اسی طرح احادیث میں بھی اس کا بہت تذکرہ موجود ہے۔ نماز کو قائم کرنے پر ثواب اور ترک کرنے پر عتاب کے بارے بہت آیات اور احادیث وارد ہوئیں ہیں:

نماز کی اہمیت:

نماز کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ، اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِوَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُاللهِ اَکْبَرُ،وَاللهُ یَعْلَمُ مَاتَصْنَعُوْنَ﴾[1]۔

ترجمہ: "جو کتاب آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی ہے اسے پڑھئے، اور نماز قائم کریں، یقیناً نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو ،اس سے اللہ سبحانہ وتعالی خبر دار ہے۔"

---

[1] العنکبوت:45۔

اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ نماز کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ وصف رکھا ہے کہ وہ انسان کو تمام گناہوں اور برائیوں سے روکتی ہے بشرطیکہ نماز کو اس کے اوقات پر پڑھا جائے اور نماز کو اس کے شرائط و آداب ساتھ ادا کیا جائے۔

نماز کے بارے قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ-الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِم خٰشِعُوْنَ--------------وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ-اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ-الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیهاخٰلِدُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: "یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔یہی وارث ہیں۔جو فردوس کے وارث ہونگے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

مندرجہ بالا آیات میں کامیابی ہونے والے مؤمنین کی چھ صفات ذکر کی گئی ہیں: پہلی صفت یہ ہے کہ خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرنا، اور آخری صفت یہ ہے کہ نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا اللہ تعالیٰ کے پاس کیا درجہ ہے، اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ مؤمنین کی صفات کو نماز سے شروع کر کے نماز ہی پر ختم فرمایا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے وارث یعنی حق دار ہوں گے، جنت بھی جنت الفردوس یعنی جو جنت کا اعلیٰ مقام کا حصہ ہے، جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ غرض جنت الفردوس کو حاصل کرنے کے لئے نماز کا اہتمام بے حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالی نمازیوں کے لئے بہت سے انعامات کا ذکر کیا ہے، جس سے احادیث کی کتب بھری پڑی ہیں، جس طرح انعامات کا ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح اس قائم نہ کرنے پر بہت سی وعیدیں وارد ہوئیں ہیں۔

---

[1] المؤمنون: 1 تا 11۔

قضا کی صورتیں:

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ؒ اپنی سیرت کی کتاب میں فرماتے ہیں کہ جنگ کی شدت کی وجہ سے جنگ خندق کے دنوں میں ایک روز حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز عصر فوت ہوگئی۔ سورج کے غروب ہونے تک اسے ادا نہ فرما سکے۔ ابھی تک نماز خوف کا حکم بھی نازل نہ ہوا تھا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کفار کے خلاف یہ بد دعا فرمائی:

(عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَبَسَ الْمُشْرِكُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ، حَتَّى احْمَرَّتِ الشَّمْسُ، أَوِ اصْفَرَّتْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى، صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا» أَوْ قَالَ: «حَشَا اللهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا»)[2]

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو عصر کی نماز سے روکے رکھا، یہاں تک کہ سورج سرخ، یا زرد ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انھوں نے ہمیں درمیانی نماز، عصر کی نماز سے مشغول رکھا، اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں اور قبروں میں آگ بھر دے۔ یا فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔"

غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ نے اسے جماعت کے ادا قضا کیا۔ ہر (عصر اور مغرب) کے لئے الگ اذان اور اقامت پڑھی گئی۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس دن مسلمانوں کی تین نمازیں یعنی ظہر، عصر اور مغرب قضا ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے عشاء کے وقت میں انہیں ادا فرمایا۔[3]

یہاں پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ: تین نمازوں کی قضا ہوئیں پھر ان قضا نمازوں کو غروب آفتاب کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اسے جماعت کے ساتھ قضا کیا۔ اور تمام نمازوں کو بالترتیب اذان و اقامت کے ساتھ ادا کیا گیا۔

---

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص 361،360۔

[2] مسلم، صحیح مسلم، کتاب: المساجد و مواضع الصلاۃ، باب: الدلیل لمن قال الصلاۃ الوسطیٰ ھی صلاۃ العصر، ح: 1425۔

[3] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص 361،360۔

کتاب کے اندر صرف تین نمازوں کا بیان کیا گیا ہے اور اگر اس سے زیادہ نمازیں قضا ہو جائیں تو اس کیا طریقہ اور صورتیں ہو نگیں؟ ان صورتوں کو مندرجہ ذیل بیان کیا جارہا ہے:

کتاب کے اندر صرف اور صرف تین قضا نمازوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے لیکن اس سے زیادہ کو نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اب مندرجہ ذیل میں تمام قضا نمازوں کی صورتوں کو بیان کیا جائے گا۔

یہاں ان قضا نمازوں کی صورت بیان کی جارہی ہے جو چھ سے کم ہیں۔

صاحب ترتیب (جس کے ذمہ قضا نمازیں چھ سے کم ہیں) اگر وہ قضا نماز کے یاد ہوتے ہوئے اور وقت میں گنجائش ہوتے ہوئے وقتی نماز پڑھے گا تو اس کی وقتی نماز نہ ہو گی۔ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز موقوف رہے گی اگر وقتی پڑھتا گیا اور قضا رہنے دی تو جب دونوں مل کر چھ ہو جائیں گی یعنی چھٹی کا وقت ختم ہو جائے گا تو سب صحیح ہو جائیں گی اور اگر اس درمیان میں قضا پڑھ لی تو سب گئیں، سب کو پھر سے پڑھے۔

یہاں ان قضاشدہ نمازوں کی صورتیں بیان ہو رہی ہے، جو چھ سے کم ہیں، لیکن یہاں وقتی نمازوں اور فوتی نمازوں کی صورتیں ہو نگی کہ پہلے وقتی ادا کی جائے یا پھر فوتی ادا کی جائے۔

فوت شدہ نمازوں اور وقتی نماز میں ترتیب ضروری ہے، جب کہ فوت شدہ نمازیں چھ سے کم ہوں، یعنی پہلے قضا نمازیں پڑھ لے، پھر وقتی پڑھے جیسے آج کسی کی فجر و ظہر و عصر و مغرب قضا ہو گئیں، تو وہ عشاء کی نماز نہیں پڑھ سکتا، جب تک کہ ترتیب وار اِن چاروں کی قضا نہ پڑھ لے۔

اگر وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ وقتی اور سب قضائیں پڑھ لے، تو وقتی نماز اور قضا نمازوں میں جس کی گنجائش ہو پڑھے، باقی میں ترتیب ساقط ہے۔ جیسے نماز عشاء اور وتر دونوں قضا ہو گئیں اور فجر کے وقت میں پانچ رکعت کی گنجائش ہے، تو وِتر کی قضا پڑھ کے فجر کی پڑھ لے، اور اگر چھ رکعت کی گنجائش ہے، تو عشاء کی قضا پڑھ کر فجر پڑھے۔

اگر وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ مختصر طور پر پڑھے تو دونوں پڑھ سکتا ہے، اور عمدہ طریقے سے پڑھے تو دونوں نمازوں کی گنجائش نہیں، تو اس صورت میں بھی ترتیب فرض ہے، اور بمقدارِ جواز جہاں تک اختصار کر سکتا ہے تو کرلے۔

یہاں ان قضاشدہ نمازوں کی صورتیں بیان کی جارہی ہیں جو صرف چھ نمازیں ہیں۔

چھ نمازیں جس کی قضا ہو گئیں کہ چھٹی کا وقت ختم ہو گیا، اس پر ترتیب فرض نہیں اب اگرچہ باوجود وقت کی گنجائش اور قضا کی یاد کے وقتی پڑھے گا۔ وقتی ہو جائے گی، چاہے قضا نمازیں جو اس کے ذمہ ہیں سب ایک ساتھ قضا ہوئیں، جیسے ایک دم سے چھ وقتوں کی نہ پڑھی یا سب ایک دم سے نہ ہوں، بلکہ متفرق طور پر قضا ہوئیں جیسے چھ دن فجر نہ پڑھی اور باقی نمازیں پڑھتا رہا، لیکن اِن کے پڑھتے وقت وہ فجر کی قضائیں بھولا رہا۔

جب چھ نمازیں قضا ہو گئیں کہ چھٹی کا وقت بھی جاتا رہا، تو ترتیب فرض نہ رہی چاہے وہ سب پرانی ہوں، یا بعض نئی بعض پرانی جیسے ایک مہینہ کی نماز نہ پڑھی پھر پڑھنی شروع کی، پھر ایک وقت کی قضا ہو گئی، تو اس کے بعد کی نماز ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اُس کے ذمہ چھ نمازوں سے زیادہ ہیں، جن کی وجہ سے ترتیب جاتی رہتی ہے۔[1]

جب چھ نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی، تو اب اگر ان قضاؤں میں سے بعض پڑھ لیں کہ قضا چھ سے کم رہ گئیں، تو ابھی ترتیب والا نہ ہو گا، کیونکہ اس قضا پوری نہیں ہیں، جب چھیئوں کی قضا نہ پڑھ لے جب سب کی قضا پڑھ لے گا تب پھر صاحب ترتیب ہو جائے گا۔

یہاں ان قضا نمازوں کی صورتیں بیان کی جا رہی ہیں جو چھ سے زیادہ ہیں۔

چھ یا اس سے زیادہ قضا نمازیں جس طرح اس قضا و ادا میں ترتیب کو ساقط کر دیتی ہیں، اسی طرح قضاؤں میں بھی ترتیب کو ساقط کر دیتی ہیں، قضاؤں میں بھی آپس میں ترتیب نہیں رہتی آگے پیچھے پڑھی جا سکتی ہیں، جیسے کسی نے ایک مہینہ تک نماز نہ پڑھی پھر اس مہینہ کی نمازوں کی قضا اس طرح پر پڑھی کہ پہلے تیس فجر کی قضا پڑھی پھر اس کے بعد تیس ظہر کی قضا پڑھی اسی طرح پانچوں وقت کی قضا پڑھی تو اس طرح قضا پڑھنا بھی صحیح ہے۔

جس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں اگرچہ اُن کا پڑھنا جلد سے جلد واجب ہے، مگر بال بچوں کے حقوق اور اپنی ضروریات کی وجہ سے تاخیر کر سکتا ہے لہٰذا کاروبار بھی کرے اور جو وقت فرصت کا ملے اس میں قضا پڑھتا رہے یہاں تک کہ سب پوری ہو جائیں۔

قضا نمازیں نوافل سے اہم ہیں یعنی جس وقت نفل پڑھتا ہے اُنہیں چھوڑ کر اُن کے بدلے قضائیں پڑھے تاکہ بری الذمہ ہو جائے البتہ تراویح اور بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ کی نہ چھوڑے۔

---

[1] جونپوری، علامہ قاضی شمس الدین احمد، قانون شریعت (مکتبہ المدینہ، باب المدینہ کراچی) ص79،78۔

یہاں ان قضا نمازوں کی صورت بیان کی جارہی ہے جو کئی برسوں کی ہیں۔

جس کے ذمہ برسوں کی نمازیں قضا ہوں اور ٹھیک یاد نہ ہو کہ کتنے دن سے کون کون سی قضا ہوئی تو وہ یوں نیت کرکے پڑھے کہ سب سے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی اس کو ادا کرتا ہوں یا سب میں پہلی ظہر، عصر جس کی قضا پڑھنا چاہے اس کی نیت کرے اور اسی طرح سب نمازوں کی قضا پڑھ ڈالے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ سب ادا ہو گئیں۔

قضائے عمری کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شب قدر یا آخر رمضان میں جو بھی نماز قضائے عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ عمر بھر کی قضاؤں کے لیے یہ کافی یہ بالکل غلط اور باطل ہے[1]۔

یہاں پر اس نماز کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جو نمازیں وقت ادا نہیں کی یا پھر قضا ہو گئیں پھر اس کی مختلف صورتیں بنتی ہیں، ان کو ترتیب وار ذکر کیا گیا ہے اور اس کی مختلف صورتیں بیاں کی گئیں ہیں۔

صلاۃِ خوف:

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کو ہر حال میں مکمل پڑھا جاتا ہے اور اس کی فرضیت کے متعلق قرآن کی بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں جس سے نماز کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے کہ نماز کو ہر حال میں پڑھا جائے، لیکن بعض حالات میں اس میں رخصت ہوتی ہے چاہے وہ رخصت حالت سفر کی صورت میں ہو یا پھر حالت جنگ کی صورت میں ہو۔ یہاں دوسری صورت مراد ہے وہ ہے خوف کی حالت میں نماز پڑھنا اور خوف کی حالت نماز پڑھنا کتاب و سنت سے ثابت ہے چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصلوة اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾[2]

ترجمہ: "جب تم سفر پر جا رہے ہو، تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے، یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ "

---

[1] جونپوری، قانون شریعت، ص79،78۔

[2] النساء:101۔

اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز آدھی کر دی ہے، اسے قصر کہا جاتا ہے۔ عام سفروں میں قصر ہر حالت میں واجب ہے، چاہے دشمن کا خوف ہو، یا نہ ہو لیکن یہاں ایک خاص قسم کے قصر کا ذکر مقصود ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت ہی ہو سکتا ہے، اس میں یہ چھوٹ بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ہی امام کے پیچھے باری باری ایک ایک رکعت پڑھے، اور دوسری رکعت بعد میں تنہا پوری کرے جس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاص قسم کا قصر جسے صلاۃ الخوف کہتے ہیں دشمن کے مقابلے کی حالت ہی میں ہو سکتا ہے، اس لیے یہاں قصر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے۔ (ابن جریر) آنحضرت ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر صلاۃ الخوف پڑھی ہے۔ اس کا مفصل طریقہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

صلاۃ خوف کس غزوہ اور سن ھجری میں پڑھی گئی، اس حوالے سے علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جنہیں مندرجہ بیان کیا جائے گا:

القطب فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع (سن 3ھ) میں نماز خوف ادا فرمائی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ نماز (سن 4ھ) میں ادا کی گئ۔ شامی نے اپنی سیرت کے ابواب الحوادث میں اسی طرح لکھا ہے۔

لیکن غزوہ ذات الرقاع کے وقوع کے زمانے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل ذیل ہیں درج ہے:

ایک قول (3ھ) جس کو ٹھٹھوی صاحب نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ غزوہ ذات الرقاع سن 5ھ میں پیش آیا۔

بعض نے اس کا سن وقوع 6ھ تحریر فرمایا۔

بعض دوسروں نے 7ھ لکھا ہے۔ یہ آخری قول اصح ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی "الصحیح" کی کتاب المغازی میں اس غزوہ کا ذکر ہجرت کے ساتویں سال میں غزوہ خیبر کے بعد کیا ہے۔

جمہور علماء نے فرمایا صلوۃ خوف کا حکم سب سے پہلے غزوہ ذات الرقاع میں نازل ہوا اس صورت میں نماز خوف کے نزول کے وقت یہ سارے اقوال جاری ہوں گے (جو غزوہ ذات الرقاع کے وقوع کے بارے میں مروی ہیں۔)

کچھ علماء نے فرمایا نماز خوف کا حکم غزوہ عسفان میں نازل ہوا اور بعض کا ارشاد ہے کہ غزوہ ذی قرد میں ۔بہر صورت یہ دونوں غزوات سن 6ھ میں پیش آئے۔[1]

طریقہ صلاۃِ خوف:

صلاۃ خوف کے طریقہ کے متعلق بھی قرآن پاک میں بھی تذکرہ موجود ہے، اللہ پاک کا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيهِم فَاَقَمْتَ لهم الصَّلٰوة فَلْتَقُمْ طآئِفة مِّنهمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتهمْ فَاِذَاسَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفة اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرهم وَاَسْلِحَتهمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْالَوْتَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ ميلة واحدة وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍاَوْكُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓااَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْاحِذْرَكُمْ اِنَّ الله اَعَدَّلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًامُّهِيمِنًا﴾[2]

ترجمہ:"جب تم ان میں ہو، اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو تو چاہئے کہ، ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں، اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے، اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے، اور اپنا بچاؤ، اور اپنے ہتھیار لئے رہے کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں، اوراپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو، وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں، ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اُس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں، جب کہ تمہیں تکلیف ہو، یا بوجہ بارش کے، یا بسبب بیمار ہو جانے کے اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو- یقیناً اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔"

امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ نے ان الفاظ سے یہ گمان کیاہے کہ نماز خوف صرف نبی ﷺ کے زمانہ کے لیے مخصوص تھی، لیکن اس کی امثال قرآن بکثرت موجود ہیں کہ، نبی رحمت ﷺ کو ایک حکم دیا گیاہے، وہی حکم آپ ﷺ کے بعد آپ کے جانشینوں کے لیے بھی ہے، اس لیے نماز خوف کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی خاص

[1] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص303۔

[2] النساء:102۔

وجہ نہیں ہے۔ پھر بکثرت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ: انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نماز خوف پڑھی ہے، اور اس باب میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا کوئی بھی اختلاف وارد نہیں ہے۔ نماز خوف کی ترکیب کا انحصار زیادہ تر جنگی حالات وواقعات پر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات وواقعات میں مختلف طرق سے نماز خوف پڑھائی ہے، اور امام وقت مجاز ہے کہ ان طرق[1] میں سے جس طریقہ کی اجازت جنگی صورتحال دے، اسی کو اختیار کرے۔[2]

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے صلاۃ خوف کے مختلف طرق بیان کیے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور راجح قول کا ذکر کیا ہے۔ جس کو حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف کے متعلق بھی تعلیم دی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ نجد میں صلاۃ الخوف فرمائی:

(عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُهُ، هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَعْنِي صَلَاةَ الْخَوْفِ؟ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا

---

[1] یہاں نماز خوف کی جو صورتیں بنتی ہیں ان کو ذکر کیا جائے گا:

پہلی صورت یہ ہے کہ: ایک حصہ فوج کا امام کے ساتھ نماز پڑھے، اور دوسرا فوج کا حصہ دشمن کے مقابلہ میں رہے۔ پھر جب ایک رکعت پوری ہو جائے تو فوج کا پہلا حصہ سلام پھیر کر واپس آجائے، اور پھر دوسرا فوج کا حصہ آکر دوسری رکعت کو امام کے ساتھ مکمل کرلے۔ اس طرح امام کی دو رکعتیں مکمل ہوں گی اور فوج کے دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت پوری ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ: فوج کا ایک حصہ امام کی اقتداء میں ایک رکعت پڑھ کر واپس آجائے، پھر فوج کا دوسرا حصہ آکر ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے، پھر فوج کے دونوں گروہ باری، باری سے آکر اپنی چھوٹی ہوئی الگ ایک ایک رکعت بذات خود پڑھ لیں۔ اس طرح فوج کے دونوں گروہوں کی ایک، ایک رکعت امام کے اقتداء میں ادا ہوگی، اور ایک رکعت منفرد طور پر ادا ہو جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ: امام کی اقتداء میں فوج کا ایک گروہ دو رکعتیں پڑھ لے، اور تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر واپس آجائے۔ پھر دوسرا فوج کا گروہ تیسری رکعت میں آکر شامل ہو اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ: فوج کا ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقتدی بذات خود ایک رکعت مع تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر دوسرا حصہ آکر اس حال میں امام کے پیچھے کھڑا ہو کہ ابھی امام دوسری ہی رکعت میں ہو اور یہ لوگ بقیہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ایک رکعت خود اٹھ کر پڑھ لیں۔ اس صورت میں امام کو دوسری رکعت میں طویل قیام کرنا ہوگا۔

پہلی صورت کو ابن عباس، جابر بن عبد اللہ اور مجاھد نے روایت کیا ہے۔ دوسرے طریقہ کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حنفیہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے طریقہ کو حسن بصری نے ابو بکرہ سے روایت کیا ہے۔ اور چوتھے طریقہ کو امام شافعی اور مالک نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ترجیح دی ہے اور اس کا ماخذ سہل بن ابی حَثْمَہ کی روایت ہے۔ ان کے علاوہ صلوٰۃِ خوف کے اور بھی طریقے ہیں جن کی تفصیل مبسوطات میں مل سکتی ہے۔

[2] قرطبی، ابو عبد اللہ بن محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن** (دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ) 5 / 363۔

الْعَدُوِّفَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَافَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ تُصَلِّي وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّوَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوافَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ-)[1]۔

ترجمہ "میں نجد کی طرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ (ذات الرقاع) میں شریک تھا، دشمن سے مقابلہ کے وقت ہم نے صفیں باندھیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خوف کی نماز پڑھائی (تو ہم میں سے) ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے میں شریک ہو گئی، اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی اقتداء میں نماز پڑھنے والوں کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کئے، پھر یہ لوگ لوٹ کر اس جماعت کی جگہ آگئے، جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی، اب دوسری جماعت آئی، ان کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے ایک رکوع اور دو سجدے کئے، پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا، اس گروہ میں سے ہر شخص کھڑا ہوا اور اس نے اکیلے اکیلے ایک رکوع اور دو سجدے ادا کئے۔"

اس حدیث مبارکہ میں صلاۃ الخوف کا طریقہ مذکور ہے یہ طریقہ الفاظ قرآن کے زیادہ موافق ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی کتب حدیث اور فقہ کی کتب میں اس کا طریقہ مذکور ہے۔ لیکن یہ طریقہ زیادہ احسن ہے اور آپ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔

اقوال فقہاء صلاۃِ خوف کے بارے میں:

یہاں پر یہ اختلاف واقع ہوتا ہے کہ صلاۃ خوف آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی یا پھر بعد میں آنے والوں کے ساتھ بھی؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ جس کو مندرجہ ذیل بیان کیا جارہا ہے:

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الخوف، باب: أَبْوَابُ صَلَاةِ الخَوْفِ، ح:483۔

امام ابویوسف اور حسن بن زیاد (احناف) اور مزنی (شوافع) کے نزدیک یہ نماز زمانہ نبوت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی فضیلت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھنے کی بنا پر ہے۔

دلیل: قرآن کریم کی آیت مبارکہ (اذا کنت فیھم) ہے

حضرات جمہور ائمہ نزدیک مختار، بعد از زمانہ نبوت میں اس کا جواز ہے۔

دلیل: اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علی مرتضی، ابوموسی اشعری اور حذیفہ بن الیمان وغیرہم رضی اللہ عنہم نے قائم فرمائی۔

دوسری دلیل: (خذ من اموالھم) سے ثابت ہے یعنی صدقہ کے اموال یا تو آپ خود لیں یا آپ کے نائبین لیتے رہیں، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد صلاۃ خوف پڑھی جاسکتی ہے۔[1]

حضرات فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ صلاۃ خوف پڑھنا عام ہے خواہ سفر میں یا حضر، نماز خوف جائز ہے۔ لہذا فرماتے ہیں کہ وہ دو رکعت والی نماز خواہ حضر میں ہو یا قصر میں، امام ہر ایک جماعت کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھے اور چار رکعت والی نمازوں میں (حالت حضر میں) ہر جماعت کو دو رکعتیں امام پڑھائے گا اور مغرب میں پہلی جماعت کو دو اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے گا۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے بر بنائے عموم ارشاد باری تعالی (واذا کنت فیھم) جیسا کہ کہتے ہیں کہ اور ممکن ہے کہ حضر میں اثبات قیاس کے ذریعہ ہو (واللہ اعلم)۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

امام مالکؒ کے نزدیک سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔[2]

---

[1] ایضاً 1/604۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت،:1/605،604،603۔

یہاں پر امام ابو حنیفہؒ کا مذہب راجح ہے کہ دونوں صورتوں میں صلاۃ الخوف پڑھی جاسکتی ہے چاہے وہ حضر کی حالت میں یا پھر سفر کی حالت ہو۔

یہاں پر نماز کے کچھ ایسے مسائل ہیں جو مختلف واقعات میں پیش آئے ہیں، ان مسائل کو مندرجہ ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

سجدہ شکر:

غزوہ بدر میں کفار کے سردار ابو جہل کو جب قتل کیا گیا اور اس کا سر آپ ﷺ کے سامنے لایا گیا، تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا، جس کا حدیثِ مبارکہ میں تذکرہ موجود ہے کہ:

(عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: صَلَّى يَوْمَ بُشِّرَ بِرَأْسِ أَبِي جَهْلٍ رَكْعَتَيْنِ)[1]۔

ترجمہ :"جس دن حضور اکرم ﷺ کو ابو جہل کا سر لائے جانے کی بشارت سنائی گئی، تو آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی۔"

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، **بعض** فقہاء کرام نعمت متجددہ کے ظہور اور بلیہ مکروہہ کے دفع ہونے کے وقت سجدہ شکر کے مستحب ہونے قائل ہیں اور علماء کا جارج نماز، سجدہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ **بعض** سجدہ تلاوت کی مانند سجدہ شکر اور سجدہ مناجات کو سمجھا ہے۔ مگر جمہور علماء احناف اس کے قائل نہیں ہیں[2]۔ اس مسئلہ کی مزید کو مندرجہ ذیل حاشیہ بیان کیا جائے گا۔[3]

---

[1]ـ ابن ماجة، أبو عبد الله محمد بن يزيد، **سنن ابن ماجہ** (دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430ھ–2009م، عدد الأجزاء: 5)۔ کتاب: اقامة الصلاة، باب: ما جاء فی الصلاۃ والسجدۃ عند الشکر، ح: 1391۔ حدیث ضعیف۔ (چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس سے سجدہ کے جواز کا استدلال نہیں کیا جاسکتا)۔

[2]ـ دہلوی، مدارج النبوت: 1 / 143۔

[3]ـ نماز کے علاوہ کے سجدہ شکر میں اختلاف ہے **بعض** فرماتے ہیں کہ یہ بدعت اور بے اصل ہے، اور **بعض** فرماتے ہیں کہ جائز و مسنون ہے، مگر اس کی کئی صور تین ہیں ایک سجدہ سہو، یہ نماز کے حکم ہے۔ دوسرا سجدہ تلاوت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ تیسرا سجدہ مناجات ہے جو نماز کے بعد ہے یہ بھی مکروہ ہے۔ چوتھا سجدہ شکر ہے، اس میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اور امام یوسفؒ کے ہاں سنت ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک کے نزدیک سنت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (حضرت علامہ شیخ محمد عبد الحق دہلوی، مدارج النبوت، ترجمہ: الحاج مفتی غلام الدین نعیمیؒ (ممتاز اکیڈمی، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور) جلد اول، ص70، 569)۔

اختلاف نماز عصر:

غزوہ خندق میں جب آپ ﷺ نے بنو قریظہ کے لیے لشکر کو روانہ فرمایااور ساتھ ساتھ فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کریں اس واقعہ کو صحیح بخاری میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

(عَنِ ابْنِ عُمَرَ،قَالَ:قَالَ النَّبِيُّ ﷺلَنا لَمَّا رَجَعَ مِنْ الْأَحْزَابِ:لَايُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّافِي بَنِي قُرَيْظَةَ،فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرُفِي الطَّرِيقِ،فَقَالَ بَعْضُهُمْ:لَانُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَاوَقَالَ بَعْضُهُمْ:بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ،فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ ﷺفَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ-)[1]

ترجمہ:"جب حضور اکرم ﷺ غزوہ خندق کے معرکہ سے فارغ ہوئے،(ابوسفیان لوٹے) تو ہم سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی فرد بنو قریظہ کے گاؤں میں پہنچنے سے قبل کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے،بلکہ جب عصر کی نماز کا وقت قریب ہوا،تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے راستہ ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی،اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ: ہم بنو قریظہ کے گاؤں میں پہنچنے کے بعد عصر کی نماز پڑھیں گے،اور حضرات صحابہ کرام کا یہ گمان ہوا کہ: ہمیں ہر حال میں نماز پڑھ لینی چاہیے،کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارادہ نہیں ہو سکتا کہ: ہم نماز کو قضاء کر کے پڑھ لیں۔ پھر جب اس کے بعد آپؐ سے اس بات کا تذکرہ ہوا، تو آپؐ نے کسی عمل پر بھی کوئی ملامت نہیں فرمائی۔ "

یہاں پر عصر کی نماز پڑھنے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہو گیا۔ جب عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے راستہ ہی میں عصر کی نماز ادا کی اور بعض کرام نے بنو قریظہ میں جا کر عصر کی نماز ادا کی اور آپ ﷺ نے دونوں جماعتوں کے عمل کو مسلم و بر قرارر کھا۔ اور کسی ایک کو زجر و توبیخ نہ فرمائی۔[2]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الجمعۃ، بابُ صَلاۃِ الطَّالِبِ وَالمَطْلُوبِ رَاکِبًا وَإِیمَاءً، حدیث نمبر 946۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 1/266۔

یہاں پر اس مسئلہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ یہ قضیہ ان مجتہدین کرام کے لئے بھی حجت بنتا ہے جو اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور اہل ظواہر محدثین کی جماعت کے لئے حجت بنتا ہے جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور رائے اور اجتہاد کو داخل نہیں کرتے۔

فصلِ دوم

تیمم اور موزوں پر مسح کے مسائل

تیمم:

اللہ تعالی نے اس امت (امت محمدی) پر بہت احسانات کیے ہیں جو سابقہ امتوں کو حاصل نہیں تھے۔ ان میں تین مشہور و معروف ہیں ان میں ایک نمازوں کی صفیں جماعت میں، دوسرا ہر جگہ روئے زمین پر نماز پڑھنا اور تیسرا تیمم کرنا۔ تیمم اسلامی احکامات میں سے طہارت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے جسے مخصوص حالات میں وضو یا غسل کی جگہ انجام دیا جاتا ہے اور مسلمان نماز جیسی عبادتوں کو اس تیمم کے ذریعے انجام دے سکتا ہے۔ اس کا تذکرہ قرآن و احادیث میں موجود ہے اور بطور ثبوت ذکر کیا جاتا ہے:

چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍاَوْجَآءَاَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْامَآءً فَتَيَمَّمُوْاصَعِيْدًاطَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوهكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنه مَايُرِيْدُاللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُلِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَته عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[1]۔

ترجمہ: "اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر کی حالت میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں (بیویوں) سے ملے ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو اللہ تبارک و تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔"

دوسری جگہ قرآن کریم میں حق تعالی کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] المائدہ:6

﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰٓى اَوۡعَلٰى سَفَرٍاَوۡجَآءَاَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡلٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡامَآءً فَتَيَمَّمُوۡاصَعِيۡدًاطَيِّبًا فَامۡسَحُوۡابِوُجُوهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّاغَفُوۡرًا﴾[1]

ترجمہ: "اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی حاجت ضروریہ سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، تمہیں پانی نہ ملے تو پاکیزہ مٹی کا ارادہ کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔ بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ بخشنے والا ہے معاف کرنے والا ہے۔"

ان دو آیات کریمہ میں تیمم کے متعلق حکم دیا جارہا ہے کہ اگر تم حالت بیماری میں ہو یا پھر تم حالت سفر میں ہو یا پھر قضائے حاجت کی جگہ سے آرہے ہو یہاں درحقیقت اس چھوٹی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان پر نماز وغیرہ پڑھنے کے لیے صرف وضو واجب ہوتا ہے اور عورتوں سے ملاپ، اس بڑی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس کو جنابت کہتا ہے اور جس میں غسل واجب ہوتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جب پانی میسر نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو ناپاکی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے اور دونوں صورتوں میں اسکا طریقہ ایک ہی ہے۔[2]

یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ جب پانی ملنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو یا پھر کسی بیماری کی وجہ سے پانی کا استعمال ممکن نہ ہو تو اس صورت میں تیمم کیا جاسکتا ہے۔ (چاہے وہ حالت جنابت کی صورت میں ہو یا پھر قضائے حاجت کی صورت میں ہو۔)

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ کا تیمم کے متعلق فرمان ہے کہ:

(حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ،أَنَّ رَسُولَ اللَّهِﷺرَأَى رَجُلًامُعْتَزِلًالَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ،فَقَالَ:يَافُلَانُ،مَامَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ؟فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌوَلَامَاءَ،قَالَ:عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيک-)[3]

ترجمہ: "حضرت عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ، الگ کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو رہا

---

[1] النساء:43۔

[2] عثمانی، مفتی محمد تقی، **آسان ترجمہ** (اداہ معارف القرآن، کراچی) ص240۔

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: التیمم، باب: التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ، ح:348۔

ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا، اس نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے غسل کی ضرورت ہوگئی اور پانی نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم کو پاک مٹی سے تیمم کرنا ضروری تھا، بس وہ تمہارے لیے کافی ہوتا۔ "

اس حدیث مبارکہ میں بھی تیمم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر آدمی کو غسل جنابت کی صورت پیش آجائے اور پانی موجود نہ ہو تو اس صورت میں تیمم کرنا ضروری ہے اور وہ تمام کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے جس مندرجہ ذیل[1] میں ذکر کیا جارہا ہے۔

کتاب میں مکمل تفصیل مذکور نہیں ہے اور مکمل تفصیل کے لئے حاشیہ[2] میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدث اکبر میں تیمم غسل کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ اگر جنابت یا حیض سے حدث اکبر لاحق ہو جائے اور قدرت علی الماء نہ ہو تو تیمم ازالہ حدث اکبر میں غسل کے قائم مقام ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ کرام و تابعین کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح وضو کے قائم مقام تیمم جائز ہے ایسے ہی پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل کے قائم مقام تیمم جائز ہے

[2] تیمم کے متعلق تفصیل:

تیمم کے مشروع ہونے کی حکمت:

تیمّم کے مشروع ہونے کی ایک حکمت یہ ہے کہ: امّت محمدی کے لیے اسانی پیدا کی جاسکے۔ بعض اوقات پانی کے استعمال سے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اور اس سے بچنے کے لیے، جیسے بیماری وغیرہ اور عبادت کے ساتھ مسلسل جڑے رہنے کی وجہ سے تاکہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے بھی عبادت سے دوری واقع نہ ہو۔

تیمّم کب کرنا چاہیے:

جب پانی نہ ملے تو تیمّم کرلینا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے کہ: "اور جب تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمّم کرلو" پانی نہ ملنے سے مراد یہ ہے کہ ڈھونڈنے کے بعد بھی نہ ملے۔ جب انسان پانی کے استعمال سے عاجز ہو تو تیمّم کرے۔ جیسے بیمار یا وہ آدمی جو حرکت نہ کر سکتا ہو اور کوئی وضو کرنے میں اس کا معاون اور مددگار بھی نہ ہو۔ جب پانی کے استعمال کی وجہ سے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم کرلے اور اس نقصان کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

أ۔ وہ بیمار جس کی بیماری کا پانی کے استعمال کی وجہ سے بڑھ جانے کا خطرہ ہو۔

ب۔ اگر سخت سردی ہے اور پانی کو گرم کرنے کی کوئی چیز نہیں ہے "اور آدمی کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ اس پانی سے وضو کرے گا تو بیمار ہو جائے گا تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو سخت سردی کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھائی اور اس پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کی۔"

ج۔ اگر کسی آدمی کے پاس تھوڑا سا پانی ہے جو اس کے پینے کے لیے ہے، اس کے علاوہ اور پانی نہیں ہے تو تیمم جائز ہے۔

تیمّم کا طریقہ کار:

موزوں پر مسح کے مسائل:

اللہ تعالی کی اپنے بندوں پر خاص رحمت ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کی آسانی کیلئے بہت سے ایسے احکامات صادر فرمائے، جن احکامات کی وجہ سے مشکل حالات آسانی وسہولت کے اصولوں کے مطابق استوار ہو جاتے ہیں، چنانچہ شرعی قاعدہ ہے کہ: "مشقت سہولت کی باعث ہے "لہذا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں آسانی کا ایک پہلو موزوں پر مسح کی اجازت ہے، جو کہ قرآن مجید اور نبی ﷺ سے متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا تیمم کے متعلق فرمان ہے:

(عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ،أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺفِي سَفَرٍوَأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ،وَأَنَّ مُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَيَتَوَضَّأُ،فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ-)[1]۔

ترجمہ: "حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے(جب آپ واپس آئے، آپ ﷺ نے وضو شروع کیا) تو مغیرہ بن شعبہ آپ کے (اعضاء وضو) پر پانی ڈالنے لگے۔ آپ ﷺ وضو کر رہے تھے پھر آپ نے اپنے منہ اور ہاتھوں کو دھویا، پھر سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ "

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کا تیمم کے متعلق ارشاد ہے:

(عَنِ النَّبِيِّ ﷺأَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ،وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَسَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذَلِكَ،فَقَالَ: نَعَمْ،إِذَاحَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ،فَلاتَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ،وَقَالَ مُوسَى

دونوں ہاتھ مٹی میں مارے، پھر ان کو جھاڑے تا کہ غبار کم ہو جائے، پھر ان دونوں کے ساتھ ایک دفعہ چہرے کا مسح کرے اور پھر ہتھیلیوں کے ظاہر کا مسح کرے، دائیں ہاتھ سے بائیں ہتھیلی کے ظاہر کا مسح کرے اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہر کا مسح کرے۔

تیمم کے اس طریقے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو پھونکا(تا کہ جو خاک لگی ہو وہ اڑ جائے) پھر آپ ؐ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لی"

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الوضوء، باب: الرجل یوضئ صاحبہ، ح:182۔

بْنُ عُقْبَةَ:أَخْبَرَنِي أَبُوالنَّضْرِ،أَنَّ أَبَاسَلَمَةَ أَخْبَرَهُ،اَنّ سَعْدًا حَدَّثَهُ،فَقَالَ:عُمَرُلِعَبْدِاللّٰهِ نَحْوَه-)[1]

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا، عبد اللہ بن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق میں پوچھا، تو انہوں نے کہا: جب تم سے سعد نے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان فرمائیں، تو اس کے بارے میں ان کے سوا کسی دوسرے آدمی سے مت پوچھو اور موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو النضر نے بتلایا، انہیں ابو سلمہ نے خبر دی کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان سے (رسول اللہ ﷺ کی یہ) حدیث بیان کی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے ایسا کہا۔"

صحاح ستہ میں بروایت متعددہ طرق مختلفہ مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سفر و حضر میں موزہ پر مسح کرتے تھے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی حدیث تواتر کے ساتھ ثابت ہوئی ہے، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور بعض علماء نے اس کے راویوں کو جمع کیا ہے جو کہ اسی متجاوز ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں اور سلف کے تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔

موزوں کے مسح پر فقہاء کا اختلاف:

موزوں کے مسح کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں جن کو مندرجہ ذیل بیان کیا جارہا ہے۔[2]

امام مالکؒ کا قول:

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسافر کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن مقیم کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول:

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الوضوء، باب: المسح علی الخفین، ح:121۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 1/527۔

سیدنا امام اعظمؒ فرماتے ہیں مسافر و مقیم دونوں کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

امام احمدؒ کا قول:

امام احمدؒ فرماتے ہیں مسافر و مقیم دونوں کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے علماء کے اقوال ہیں جن کو مندرجہ ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

امام حسن بصریؒ قول:

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھ سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث روایت کی ہے۔

امام کرخیؒ کا قول:

امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کفر سے ڈرتا ہوں جو مسح خفین پر اعتقاد نہ رکھے امام اعظم سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اور اہل سنت و جماعت کے عقائد میں ہے کہ "وتری المسح علی الخفین"(مزوں پر مسح کا اعتقاد رکھو)اور مسح خفین کو علامات اہل سنت و جماعت سے جانتے ہیں۔

ان ائمہ فقہاء اور علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا چاہے وہ حالت سفر میں یا پھر حالت حضر میں دونوں صورتوں میں جائز ہے۔اس کے ثبوت پر قرآن وحدیث میں بہت سے دلائل موجود ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

مدت مسح خفین:

صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سفر و حضر میں مسح کرتے تھے۔ حضر یعنی حالت اقامت کی مدت شبانہ روز اور سفر کی حالت میں مدت تین شبانہ روز ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے حدیث مروی ہے کہ:

(عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ،قَالَ:أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلى الْخُفَّيْنِ،فَقَالَتْ عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ،فَسَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُمَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺفَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ:«جَعَلَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ» قَالَ: وَكَانَ سُفْيَانُ، إِذَا ذَكَرَ عَمْرًا، أَثْنَى عَلَيْهِ۔)[1]

ترجمہ: "حضرت شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں حضرت عائشہؓ کے پاس موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوا تو انہوں نے کہا: ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں جاؤ، اور ان سے پوچھو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے ۔ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن، تین راتیں، مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمایا۔"

(عبد الرزاق نے) کہا: سفیان (ثوری) جب بھی عمرو (بن قیس ملائی) کا تذکرہ کرتے تو ان کی تعریف کرتے۔

اس حدیث مبارکہ میں واضح فرمایا گیا ہے مسافر موزوں پر مسح تین دن اور تین راتین اور مقیم ایک دن اور ایک رات اپنے موزوں پر مسح کرے گا۔

اس بات پر سب فقہاء (امام اعظمؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ) کا اتفاق ہے کہ موزوں پر کرنا جائز ہے لیکن اس بات پر اختلاف ہے کہ موزہ کے ظاہر پر مسح ہے یا تلوے پر؟ امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے ہاں مسح ظاہر موزہ پر ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ہاں ظاہرہ پر فرض ہے اور نچلے حصے پر سنت ہے۔[2]

کتاب میں اس اختلاف کو صرف مختصر بیان کیا گیا ہے لیکن اس کی مکمل تفصیل مندرجہ ذیل حاشیہ میں بیان کی جائے گی۔[3]

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب: الطھارۃ، باب: التوقیت فی المسح علی الخفین، ح: 661۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 1/528۔

[3] اس اختلاف کو نفحات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح (جلد دوم) میں بیان کیا ہے کہ:

فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسح علی الخفین اعلی خف اور اسفل خف دونوں پر کرنا چاہئے یا فقط اعلی خف پر۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اعلی اور اسفل دونوں پر مسح کے قائل ہیں، البتہ امام مالکؒ کے ہاں اعلی اور اسفل دونوں کا مسح کرنا ضروری ہے، جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک جو شخص اعلیٰ الخف کا مسح کرے اور اسفل الخف کا مسح کا چھوڑدے تو اس کا مسح ہو جائے گا، جبکہ صرف اسفل الخف پر اکتفا کرنے والے کا مسح کسی کے نزدیک کافی نہیں، گویا امام شافعیؒ اعلیٰ خف پر مسح کرنے کو واجب اور اسفل خف پر مسح کو مستحب کہتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب:

مسح افضل ہے یا دپاؤں کا دھونا:

مسح کے افضل ہونے یا پاؤں کے دھونے کا بارے میں مختلف رائے ہیں جن کا مندرجہ ذیل بیان کیا جارہا ہے:

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک محل مسح فقط اعلیٰ خف ہے اور اسفل خف محل نہیں، اگر کوئی شخص اسفل خف پر مسح کرتا ہے تو اعلیٰ خف کے بغیر وہ ناکافی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل:

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل حدیث مغیرہ بن شعبہ کی روایت" وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ.رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ مَعْلُولٌ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ وَمُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَا:لَيْسَ بِصَحِيحٍ. وَكَذَا ضعفه أَبُو دَاوُد."سے استدلال کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلائل:

امام صاحب اور امام محمدؒ کی دلیل حدیث مغیرہ بن شعبہ کی روایت"وعنهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يمسح على الْخُفَّيْنِ على ظاهرهما. رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ وَأَبُو دَاوُد"سے استدلال کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب:

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ حدیث ضعیف ہے اس پر امام ابو زرعہؒ، امام بخاریؒ، امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ یہ چار جلیل القدر ائمہ حدیث اس حدیث کی کی تضعیف پر متفق ہیں اس لیے یہ روایت قابل استدلال نہ ہو گی۔

مسئلہ مسح علی الجوربین:

مسئلہ مسح علی الجوربیں کی دو صورتیں بنتی ہیں۔ایک صورت جوربین مجلدین اور منعلین کی ہے جس پر مسح بالاتفاق جائز ہے۔دوسری صور تغیر مجلدین غیر منعلین رقیقین پر بالاتفاق مسح ناجائز ہے، اور اگر جوربین غیر منعلین رقیقین نہ ہوں بلکہ ثخینیں ہوں تو اس میں فقہاء کا مسح کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جوربین ثخینیں پر مسح کرنا جائز ہے، مجلد اور منعل ہونا ضروری نہیں۔مجلدین وہ ہوتا ہے جس کے نیچے اور اوپر دونوں طرف چڑا ہو، منعلین جن کے نیچے صرف چڑا ہو اور ثخینیں کی تفصیل یہ کہ تتابع مشی ان کے ساتھ ممکن ہو ان سے پانی نہ چھنتا ہو اور بغیر بندش کے وہ ساق پر رکھے رہتے ہیں۔

مذہبِ اول کی رائے:

پہلی جماعت کی رائے یہ ہے کہ دھونا افضل ہے۔اس لیے کہ دھونا عزیمت ہے اور مسح رخصت۔اور عزیمت پر عمل کرنا رخصت پر عمل کرنے سے افضل ہے لہذا اگر پاؤں سے موزہ اتار کر دھوئیں تو افضل ہے اور اس پر اجر وثواب ہے صاحب ہدایہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔[1]

مذہبِ دوم کی رائے:

دوسری کمزور رائے یہ پائی جاتی ہے کہ مسح افضل ہے اور ان کے نزدیک اگر پاؤں کھلے ہوں تو موزہ پہنیں اور مسح کریں اور صواب یہ ہے کہ مسح کرنا اور دھونا مشروع اور برابر ہیں اور کوئی ایک دوسرے سے افضل اور راجح نہیں ہے۔[2]

احادیث کے اندر موزوں پر مسح کرنا اور پاؤں کو دھونے کے متعلق دونوں عمل موجود ہیں اور دونوں ہی عمل آپ ﷺ سے ثابت ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں عمل (موزوں پر مسح کرنا اور پاؤں کو دھونا) اختیار کیے ہیں۔ یہی احسن بات ہے۔

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 1/527۔

[2] ایضاً۔

فصلِ سوم

معاشرتی مسائل

واقعہِ افک:

جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو مکہ کی طرح یہاں پر بھی بہت سی مشکلات (یہودی اور منافقوں) کا سامنا کرنا پڑا اور مدینہ میں بہت سے واقعات رونما ہوئے ان میں ایک واقعہ افک کا جس سے مسلمانوں کو خاص کر آپ ﷺ کو اور آپ کے خاندان کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس واقعہ کو مکمل حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ:

(قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ فَأَيُّهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَعَهُ---------------------------- قَالَتْ: وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ سورة النورآية 11 الْعَشْرَ الْآيَاتِ, ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ هَذَا فِي بَرَاءَتِي, قَالَ أَبُوبَكْرٍ الصِّدِّيقُ: وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحِ بْنِ أُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَفَقْرِهِ وَاللَّهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ إِلَى قَوْلِهِ غَفُورٌ رَحِيمٌ سورة النورآية 22 قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: بَلَى وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لِي فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَقَالَ: وَاللَّهِ لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا, قَالَتْ عَائِشَةُ: وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَأَلَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ عَنْ أَمْرِي, فَقَالَ لِزَيْنَبَ: مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ؟ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا قَالَتْ عَائِشَةُ: وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فَعَصَمَهَا اللَّهُ بِالْوَرَعِ, قَالَتْ: وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ, قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَهَذَا الَّذِي بَلَغَنِي مِنْ حَدِيثِ هَؤُلَاءِ الرَّهْطِ ثُمَّ قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: وَاللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِي قِيلَ لَهُ مَا قِيلَ لَيَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثَى قَطُّ قَالَتْ: ثُمَّ قُتِلَ بَعْدَ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ -)[1]۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، الشھادات، باب: تعدیل النساء بعضھن بعضا، ح: 4141۔

ترجمہ:"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: رسول اللہؐ جب سفر کا ارادہ کرتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان قرعہ ڈالا کرتے تھے، جس کا نام آتا، تو نبی کریم ﷺ انہیں اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی «ولا یأتل أولو الفضل منکم» یعنی "اہل فضل اور اہل ہمت قسم نہ کھائیں" سے «غفور رحیم» تک (کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ یا دوسرے مومنین کی اس میں شرکت محض غلط فہمی کی بنا پر تھی)۔ چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اللہ کی قسم! میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کہنے پر معاف کر دے اور مسطح کو جو کچھ دیا کرتے تھے' اسے پھر دینے لگے اور کہا کہ: اللہ کی قسم! اب اس وظیفہ کو میں کبھی بند نہیں کروں گا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: میرے معاملے میں آپ ﷺ نے ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ کیا تھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ: عائشہ کے متعلق کیا معلومات ہیں تمہیں یا ان میں تم نے کیا چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھتی ہوں (کہ ان کی طرف خلاف واقعہ نسبت کروں) اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: زینب ہی تمام ازواج مطہرات میں میرے مقابل کی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پاکبازی کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا۔ بیان کیا کہ: البتہ ان کی بہن حمنہ نے غلط راستہ اختیار کیا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئی تھیں۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ یہی تھی وہ تفصیل اس حدیث کی جو ان اکابر کی طرف سے مجھ تک پہنچی تھی۔ پھر عروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: اللہ کی قسم! جن صحابی کے ساتھ یہ تہمت لگائی گئی تھی وہ (اپنے پر اس تہمت کو سن کر) کہتے' سبحان اللہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میں نے آج تک کسی عورت کا پردہ نہیں کھولا۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: پھر اس واقعہ کے بعد وہ اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان قرعہ ڈالا کرتے تھے اور جس کا نام آتا تو نبی کریم ﷺ انہیں اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ آپ ﷺ نے ایک غزوہ کے وقت جب

آپ ﷺ نے قرعہ ڈالا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا تو ام المؤمنین آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں روانہ ہوئی۔[1]

یہ واقعہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو ہودج سمیت اٹھا کر سوار کر دیا گیا اور اسی کے ساتھ اتارا جاتا۔ اس طرح ہم روانہ ہوئے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ اپنے اس غزوہ سے فارغ ہو گئے تو واپس ہوئے۔ واپسی میں آپ ﷺ نے مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈالا اسی دوران ام المؤمنین قضائے حاجت کے لیے تشریف لی گئیں، تھوڑی دور چل کر لشکر کے حدود سے آگے نکل گئی۔ پھر قضائے حاجت سے فارغ ہو کر میں اپنی سواری کے پاس پہنچی۔ وہاں پہنچ کر جو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اپنا سینہ ٹٹولا تو ظفار (یمن کا ایک شہر) کے مہرہ کا بنا ہوا میرا ہار غائب تھا۔ اب ام المؤمنین پھر واپس ہوئی اور اپنا ہار تلاش کرنے لگی۔ اس تلاش میں دیر ہو گئی۔ غرض اونٹ کو اٹھا کر وہ بھی روانہ ہو گئے۔ جب لشکر گزر گیا تو ام المؤمنین کو بھی اپنا ہار مل گیا۔ پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ڈیرے پر آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ نہ پکارنے والا نہ جواب دینے والا۔ اس لیے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا وہاں آئی جہاں اصل ڈیرہ تھا۔ ام المؤمنین یقین تھا کہ جلد ہی میرے نہ ہونے کا انہیں علم ہو جائے گا اور مجھے لینے کے لیے وہ واپس لوٹ آئیں گے۔ اس لیے اپنی جگہ پر ہی میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی الذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک سوئے انسان کا سایہ دیکھا اور جب ام المؤمنین کو دیکھا تو پہچان گئے پردہ سے پہلے وہ ام المؤمنین کو دیکھ چکے تھے۔ جب وہ پہچان گئے تو انا للہ پڑھنا شروع کیا اور ان کی آواز سے امی عائشہ رضی اللہ عنہا جاگ اٹھی اور فوراً اپنی چادر سے ام المؤمنین نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ وہ سواری سے اتر گئے اور اسے انہوں نے بٹھا کر اس کی اگلی ٹانگ کو موڑ دیا تاکہ ام المؤمنین اٹھے اور اس پر سوار ہو جائے۔ اب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سواری کو آگے سے پکڑے ہوئے لے کر چلے۔ جب ہم لشکر کے قریب پہنچے تو ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔[2]

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اصل میں تہمت کا بیڑا عبد اللہ بن ابی ابن سلول (منافق) نے اٹھا رکھا تھا۔ عروہ نے بیان کیا کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس تہمت کا چرچا کرتا اور اس کی مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوا کرتا۔ وہ اس کی تصدیق کرتا، خوب غور اور توجہ سے سنتا اور پھیلانے کے لیے خوب کھود کرید کرتا۔ عروہ نے پہلی سند کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ حسان بن ثابت مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے سوا تہمت لگانے میں شریک کسی

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/243۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 2/244۔

کا بھی نام نہیں لیا کہ مجھے ان کا علم ہوتا۔ اگرچہ اس میں شریک ہونے والے بہت سے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا(کہ جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ بہت سے ہیں) لیکن اس معاملہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: پھر ہم مدینہ پہنچ گئے، اور وہاں پہنچتے ہی میں بیمار ہوگئی، تو ایک مہینے تک بیمار ہی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی افواہوں کا بڑا چرچا رہا، لیکن میں ایک بات بھی نہیں سمجھ رہی تھی، البتہ اپنے مرض کے دوران ایک چیز سے مجھے بڑا شبہ ہوتا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ محبت و عنایت میں نہیں محسوس کرتی تھی، جس کو پہلے جب بھی بیمار ہوتی میں دیکھ چکی تھی۔ آپ میرے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور دریافت فرماتے: کیسی طبیعت ہے؟ صرف اتنا پوچھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے مجھے شبہ ہوتا تھا۔ لیکن شر اس کا مجھے کوئی احساس نہیں تھا۔ مرض سے جب افاقہ ہوا تو میں ام مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف گئی۔ مناصع (مدینہ کی آبادی سے باہر) ہمارے رفع حاجت کی جگہ تھی۔ ہم یہاں صرف رات کے وقت جاتے تھے۔ یہ اس سے پہلے کی بات ہے۔ جب بیت الخلاء ہمارے گھروں کے قریب بن گئے تھے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابھی ہم عرب قدیم کے طریقے پر عمل کرتے اور میدان میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے اور ہمیں اس سے تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلاء ہمارے گھروں کے قریب بنائے جائیں۔ پھر میں اور ام مسطح حاجت سے فارغ ہوکر اپنے گھر کی طرف واپس آرہے تھے کہ ام مسطح اپنی چادر میں الجھ گئیں اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسطح ذلیل ہو۔ میں نے کہا' آپ نے بری بات زبان سے نکالی ایک ایسے شخص کو آپ برا کہہ رہی ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوچکا ہے۔ انہوں نے اس پر کہا کیوں مسطح کی باتیں تم نے نہیں سنیں؟ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ بیان کیا' پھر انہوں نے تہمت لگانے والوں کی باتیں سنائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان باتوں کو سن کر مرض اور بڑھ گیا۔ جب میں اپنے گھر واپس آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور سلام کے بعد دریافت فرمایا کہ کیسی طبیعت ہے؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے؟ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ ان سے اس خبر کی تصدیق کروں گی۔ انہوں نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے اپنی والدہ سے (گھر جاکر) پوچھا کہ آخر لوگوں میں کس طرح کی افواہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹی! فکر نہ کر اللہ کی قسم! ایسا شاید ہی کہیں ہوا ہو کہ ایک خوبصورت عورت کسی ایسے شوہر کے ساتھ ہو جو اس سے محبت بھی رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر اس پر تہمتیں نہ لگائی گئی ہوں۔ اس کی عیب جوئی نہ کی گئی ہو۔[1]

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/245۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمان ہے کہ میں نے اس پر کہا کہ سبحان اللہ (میری سوکنوں سے اس کا کیا تعلق) اس کا تو عام لوگوں میں چرچا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ادھر پھر جو میں نے رونا شروع کیا تو رات بھر روتی رہی اسی طرح صبح ہو گئی اور میرے آنسو کسی طرح نہ تھمتے تھے اور نہ نیند ہی آتی تھی۔ اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کو علیحدہ کرنے کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے بلایا کیونکہ اس سلسلے میں اب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی (مراد خود اپنی ذات سے ہے) کی پاکیزگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت کے متعلق جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ کی بیوی میں مجھے خیر و بھلائی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے لیکن حضرت علی نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے اور عورتیں بھی ان کے علاوہ بہت ہیں۔ آپ ان کی باندی (بریرہ رضی اللہ عنہا) سے بھی دریافت فرمالیں وہ حقیقت حال بیان کر دے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمہیں (عائشہ پر) شبہ ہوا ہو۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ میں نے ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو بری ہو۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایک نو عمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اس دن رسول اللہؐ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر عبد اللہ بن ابی (منافق) کا معاملہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے گروہ مسلمین! اس شخص کے بارے میں میری کون مدد کرے گا جس کی اذیتیں اب میری بیوی کے معاملے تک پہنچ گئی ہیں۔ اللہ کی قسم کہ میں نے اپنی بیوی میں خیر کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی اور نام بھی ان لوگوں نے ایک ایسے شخص (صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین کو اپنے اونٹ پر لائے تھے) کا لیا ہے جس کے بارے میں بھی میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔[1]

اب اس میں شبہ نہیں رہا کہ تم بھی منافق ہو تم منافقوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔ اتنے میں اوس و خزرج کے دونوں قبیلے بھڑک اٹھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپس ہی میں لڑ پڑیں گے۔ اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر ہی تشریف فرما تھے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو خاموش کرانے لگے۔ سب حضرات چپ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرماتی ہیں کہ میں اس روز پورا دن روتی رہی۔ نہ میرا آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھ لگتی تھی۔ بیان کیا کہ صبح کے وقت میرے والدین

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/246۔

میرے پاس آئے۔ دوراتیں اور ایک دن میرا روتے ہوئے گزر گیا تھا۔ اس پورے عرصہ میں نہ میرا آنسو رکا اور نہ نیند آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ابھی میرے والدین میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جارہی تھی کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے انہیں اجازت دے دی اور وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔ ہم ابھی اسی حالت میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر گیا تھا اور میرے بارے میں آپ کو وحی کے ذریعہ کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا "امابعد" اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے تمہارے بارے میں اس اس طرح کی خبریں ملی ہیں' اگر تم واقعی اس معاملہ میں پاک و صاف ہو تو اللہ تمہاری پاکی خود بیان کر دے گا لیکن اگر تم نے کسی گناہ کا قصد کیا تھا تو اللہ کی مغفرت چاہو اور اس کے حضور میں توبہ کرو کیونکہ بندہ جب (اپنے گناہوں کا) اعتراف کرلیتا ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ اپنا کلام پورا کرچکے تو میرے آنسو اس طرح خشک ہوگئے کہ ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے پہلے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ان کے کلام کا جواب دیں۔ والد نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا کہ آپ ﷺ سے مجھے کیا کہنا چاہیے۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کا جواب دیں۔ والدہ نے بھی یہی کہا۔ اللہ کی قسم! مجھے کچھ نہیں معلوم کہ آپ ﷺ مجھے کیا کہنا چاہیے۔ اس لیے میں نے خود ہی عرض کیا۔ حالانکہ میں بہت کم عمر لڑکی تھی اور قرآن مجید بھی میں نے زیادہ نہیں پڑھا تھا کہ اللہ کی قسم! مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے اس طرح کی افوہوں پر کان دھرا اور بات آپ لوگوں کے دلوں میں اتر گئی اور آپ لوگوں نے اس کی تصدیق کی۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ میں اس تہمت سے بری ہوں تو آپ لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے اگر اور اس گناہ کا اقرار کرلوں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ اس کی تصدیق کرنے لگ جائیں گے۔ پس اللہ کی قسم! میری اور لوگوں کی مثال یوسف علیہ السلام کے والد جیسی ہے۔ جب انہوں نے کہا تھا « فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون » (یوسف:18) "پس صبر جمیل بہتر ہے اور اللہ ہی کی مدد درکار ہے اس بارے میں جو کچھ تم کہہ رہے ہو" پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کرلیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اللہ خوب جانتا تھا کہ میں اس معاملہ میں قطعاً بری تھی اور وہ خود میری برات ظاہر کرے گا۔ کیونکہ میں واقعی بری تھی لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس کا کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ قرآن مجید میں میرے معاملے کی صفائی اتارے گا کیونکہ میں اپنے کو اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں

خود کوئی کلام فرمائے، مجھے تو صرف اتنی امید تھی کہ آپ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری برات کر دے گا لیکن اللہ کی قسم! ابھی نبی ﷺ مجلس سے اٹھے بھی نہیں تھے اور نہ اور کوئی گھر کا آدمی وہاں سے اٹھا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی اور آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کی شدت میں طاری ہوتی تھی۔ موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے آپ کے چہرے سے گرنے لگے۔ حالانکہ سردی کا موسم تھا۔ یہ اس وحی کی وجہ سے تھا جو آپ پر نازل ہو رہی تھی۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر آپ کی وہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ تبسم فرما رہے تھے۔ سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ نے تمہاری برات نازل کر دی ہے۔ اس پر میری والدہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں اللہ کی قسم! میں آپ کے سامنے نہیں کھڑی ہوں گی۔ میں اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی حمد و ثنا نہیں کروں گی (کہ اسی نے میری برات نازل کی ہے) بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا «اِن الذین جاءوا بالِافک» "جو لوگ تہمت تراشی میں شریک ہوئے ہیں" دس آیتیں اس سلسلہ میں نازل فرمائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے (سورۃ النور میں) یہ آیتیں میری برات کے لیے نازل فرمائیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے خود اٹھاتے تھے) نے کہا: اللہ کی قسم! مسطح نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس طرح کی تہمت تراشی میں حصہ لیا تو میں اس پر اب کبھی کچھ خرچ نہیں کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی «ولا یأتل اُولوا الفضل منکم» یعنی "اہل فضل اور اہل ہمت قسم نہ کھائیں" سے «غفور رحیم» تک (کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ یا دوسرے مومنین کی اس میں شرکت محض غلط فہمی کی بنا پر تھی)۔ چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کہنے پر معاف کر دے اور مسطح کو جو کچھ دیا کرتے تھے اسے پھر دینے لگے اور کہا کہ اللہ کی قسم! اب اس وظیفہ کو میں کبھی بند نہیں کروں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے معاملے میں آپ ﷺ نے ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ کیا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ عائشہ کے متعلق کیا معلومات ہیں تمہیں یا ان میں تم نے کیا چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھتی ہوں (کہ ان کی طرف خلاف واقعہ نسبت کروں) اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی تمام ازواج مطہرات میں میرے مقابل کی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پاکبازی کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا۔[1]

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/ 49،48،247۔

معاشرتی مسائل:

یہاں پر ان مختلف مسائل کا تذکرہ کیا جائے گا جو واقعہ افک میں پیش آئے ہیں اور اس ساتھ ساتھ ان مسائل کا بھی تذکرہ کیا جائے گا جو مختلف غزوات میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ان تمام مسائل کو مندرجہ ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صبر کرنا:

جب واقعہ افک پیش آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت ہی صبر و تحمل سے کام لیا جس کو حدیث میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

(قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:اِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً،فَسَيُبَرِّئُكِ اللَّهُ وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ،قُلْتُ:إِنِّي وَاللَّهِ لاَأَجِدُ مَثَلًاإِلَّاأَبَايُوسُفَ،فَصَبْرٌجَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَاتَصِفُونَ سورة يوسف آية 18،وَأَنْزَلَ اللَّهُ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ سورة النور آية 11الْعَشْرَ الْآيَاتِ-)[1]۔

ترجمہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ: اگر تم بَری ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری پاکی نازل کر دے گا، لیکن اگر تو آلودہ ہو گئی ہے، تو اللہ سے مغفرت طلب کر اور اس کے حضور میں توبہ کر، میں نے اس پر کہا: اللہ کی قسم! میری اور آپ کی مثال یوسف علیہ السلام کے والد جیسی ہے «فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون» "سو صبر کرنا (ہی) اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے، ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی میں سورۃ النور کی «إن الذين جاءوا بالإفك» سے آخر تک دس آیات اتاریں۔"

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ: اگر کتنا ہی بڑا واقعہ پیش آجائے تو اس وقت صبر کو تھامے رکھنا چاہیے اور اللہ پاک کی رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ پاک اس واقعہ کو بندہ کے حق میں کر دیں گے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیا اور اللہ پاک نے اس واقعہ کو اس کے حق میں کر دیا۔ اس کے متعلق اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے کہ "ان الله مع الصابرين"۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: تفسیر القرآن، باب قولہ: {قال: بل سولت لکم أنفسکم أمرا فصبر جمیل}[یوسف:18]"،4690۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شکر کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بارے میں حدیث ہے کہ:

(حَدَّثَتْنِي أُمُّ رُومَانَ وَهِيَ أُمُّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَاقَالَتْ: بَيْنَاأَنَا قَاعِدَةٌ أَنَا وَعَائِشَةُ إِذْوَلَجَتِ امْرَأَةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ فَقَالَتْ: فَعَلَ اللَّهُ بِفُلَانٍ، وَفَعَلَ فَقَالَتْ أُمُّ رُومَانَ: وَمَاذَاكَ قَالَتِ ابْنِي فِيمَنْ حَدَّثَ الْحَدِيثَ قَالَتْ: وَمَاذَاكَ؟ قَالَتْ: كَذَاوَكَذَاقَالَتْ عَائِشَةُ: سَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَتْ: وَأَبُوبَكْرٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ فَخَرَّتْ مَغْشِيًّاعَلَيْهَا فَمَاأَفَاقَتْ إِلَّاوَعَلَيْهَاحُمَّى بِنَافِضٍ، فَطَرَحْتُ عَلَيْهَاثِيَابَهَافَغَطَّيْتُهَافَجَاءَالنَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَاشَأْنُ هَذِهِ؟ قُلْتُ: يَارَسُولَ اللَّهِ أَخَذَتْهَاالْحُمَّى بِنَافِضٍ قَالَ: فَلَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ بِهِ قَالَتْ: نَعَمْ فَقَعَدَتْ عَائِشَةُ فَقَالَتْ: وَاللَّهِ لَئِنْ حَلَفْتُ لَاتُصَدِّقُونِي وَلَئِنْ قُلْتُ لَاتَعْذِرُونِي مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَيَعْقُوبَ وَبَنِيهِ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَاتَصِفُونَ، قَالَتْ: وَانْصَرَفَ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًافَأَنْزَلَ اللَّهُ عُذْرَهَاقَالَتْ: بِحَمْدِ اللَّهِ لَابِحَمْدِأَحَدٍ وَلَابِحَمْدِكَ-)[1]۔

ترجمہ:"ام رومان رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا: حضرت عائشہ کی والدہ ہیں، انہوں نے فرمایا کہ: میں، اور عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں کہ، اس وقت ایک انصاری عورت آئیں اور فرمانے لگیں کہ: اللہ تعالیٰ فلاں، فلاں کو تباہ و برباد کرے، ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ: میرا لڑکا بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو گیا ہے، جنہوں نے اس طرح کی بات کی ہے، ام رومان نے پوچھا کہ: آخر بات کیا ہے؟ اس پر انہوں نے تہمت لگانے والوں کی باتیں نقل کر دیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ باتیں سنیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ: ہاں، انہوں نے پھر پوچھا: اور ابو بکر نے بھی؟ انہوں نے دوبارہ کہا کہ: ہاں، انہوں نے بھی۔ یہ سنتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑیں اور جب ہوش آیا تو جاڑے کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے ان پر ان کے کپڑے ڈال دیئے اور اچھی طرح ڈھانپ دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، دریافت فرمایا کہ: انہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، باب: باب حدیث الافک، ح:1750۔

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جاڑے کے ساتھ بخار چڑھ گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: غالباً اس نے اس طوفان کی بات سن لی ہے، ام رومان نے کہا کہ: جی ہاں، پھر عائشہ نے بیٹھ کر کہا کہ: اللہ کی قسم! اگر میں قسم کھاؤں کہ: میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر کچھ کہوں تب بھی میرا عذر آپ نہیں سنیں گے؟ میری اور آپ لوگوں کی یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں جیسی مثال ہے کہ: انہوں نے کہا تھا « واللہ المستعان علی ما تصفون » یعنی "اللہ ان باتوں پر جو تم بناتے ہو مدد کرنے والا ہے، ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ کی یہ تقریر سن کر لوٹ گئے، کچھ جواب نہیں دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی تلافی نازل کی، وہ نبی ﷺ سے کہنے لگیں: بس میں اللہ ہی کا شکر ادا کرتی ہوں نہ آپ کا نہ کسی اور کا۔"

واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہر حال (چاہیے مصیبت ہو یا خوشحالی) میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ شکر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: لئن شکرتم لازیدنکم۔

ازواج مطہرات کا آپس میں مخالفت کے باوجود حق بات کہنا:

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے حق بات کہنے متعلق حدیث میں ہے کہ:

(وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْأَلُ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ عَنْ أَمْرِي، فَقَالَ: يَا زَيْنَبُ، مَا عَلِمْتِ، مَا رَأَيْتِ؟ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا خَيْرًا، قَالَتْ: وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي، فَعَصَمَهَا اللَّهُ بِالْوَرَعِ.)[1]۔

ترجمہ: " رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے متعلق پوچھا تھا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: زینب! تم (عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق) کیا جانتی ہو؟ اور کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں (کہ جو

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، الشھادات، باب: تعدیل النساء بعضھن بعضا، 4141۔

چیز میں نے دیکھی ہو یا نہ سنی ہو وہ آپ سے بیان کرنے لگوں) اللہ گواہ ہے کہ، میں نے ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: یہی میری برابر کی تھیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں تقویٰ ورع کی وجہ سے بچالیا۔"

انسان کو ہر حال میں حق وسچ بات کہنی چاہیے، اگر وہ گفتگو اپنے مخالف کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو، لیکن حق بات کہنی عادت ہو اور یہی اچھی عادت ہے جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے بارے میں کہی تھی، اور اس تذکرہ مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہے۔

حد قذف کا قائم کرنا:

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش وخرم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا، اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کو صحابہ کے سامنے پڑھا۔ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براءت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نازل شدہ آیتوں کو پڑھ چکے تو تہمت لگانے والوں کو طلب فرمایا اور ان پر حد قذف جاری فرمائی اور ہر ایک کو اسی کوڑے لگوائے اور وہ چار آدمی تھے۔ حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بن جحش رضی اللہ عنہم اور عبد اللہ بن ابی سلول۔[1]

اس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اگر کسی پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کو جرم کی سزا جاری دی، تاکہ کوئی اور اس طرح جرم کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کے متعلق حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

(وَدَعَارَسُولُ اللَّهِ ﷺعَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْأَلُهُمَا وَيَسْتَشِيرُهُمَافِي فِرَاقِ أَهْلِهِ,قَالَتْ:فَأَمَّاأُسَامَةُ فَأَشَارَعَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺبِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِهِ وَبِالَّذِي يَعْلَمُ لَهُمْ فِي نَفْسِهِ,فَقَالَ أُسَامَةُ:أَهْلَكَ وَلَانَعْلَمُ إِلَّاخَيْرًاوَأَمَّاعَلِيٌّ فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ لَمْ يُضَيِّقْ اللَّهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ وَسَلِ الْجَارِيَةَ

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت، ج:2/250۔

تَصْدُقْكَ,قَالَتْ:فَدَعَارَسُولُ اللَّهِﷺبَرِيرَةَ فَقَالَ:أَيْ بَرِيرَةُ هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ؟قَالَتْ لَهُ بَرِيرَةُ:وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَارَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًاقَطُّ أَغْمِصُهُ,غَيْرَأَنَّهَاجَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا,فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ,قَالَتْ:فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِﷺمِنْ يَوْمِهِ فَاسْتَعْذَرَمِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيٍّ وَهُوَعَلَى الْمِنْبَرِ,فَقَالَ:يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي عَنْهُ أَذَاهُ فِي أَهْلِي وَاللَّهِ مَاعَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّاخَيْرًا وَلَقَدْذَكَرُوا رَجُلًامَاعَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّاخَيْرًا ------------------ قَالَتْ عَائِشَةُ:وَاللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِي قِيلَ لَهُ مَا قِيلَ لَيَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثَى قَطُّ,قَالَتْ:ثُمَّ قُتِلَ بَعْدَ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللّہ -)[1]

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کو علیحدہ کرنے کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے بلایا: کیونکہ اس سلسلے میں اب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی، بیان کیا کہ: اسامہ رضی اللہ عنہ نے تو نبی کریم ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جو وہ آپ ﷺ کی بیوی (مراد خود اپنی ذات سے ہے) کی پاکیزگی اور آپ ﷺ کی ان سے محبت کے متعلق جانتے تھے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ: آپ کی بیوی کے بارے میں مجھے خیر و بھلائی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے اور عورتیں بھی ان کے علاوہ بہت ہیں، آپ ان کی باندی (بریرہ رضی اللہ عنہا) سے بھی دریافت فرمالیں: وہ حقیقت حال بیان کردے گی، بیان کیا کہ: پھر آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ: کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمہیں (عائشہ پر) شبہ ہوا ہو؟ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں نے ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو بری ہو، اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایک نوعمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آکر اسے کھا جاتی ہے------------------ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: میرے معاملے میں آپ ﷺ نے ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ کیا تھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ: عائشہ کے متعلق کیا معلومات ہیں تمہیں یا ان میں تم نے کیا

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، الشهادات، باب: تعدیل النساء بعضهن بعضا، ح: 4141۔

چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھتی ہوں (کہ ان کی طرف خلاف واقعہ نسبت کروں) اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: زینب ہی تمام ازواج مطہرات میں میرے مقابل کی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پاکبازی کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا، بیان کیا کہ: البتہ ان کی بہن حمنہ نے غلط راستہ اختیار کیا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئی تھیں۔"

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر کام میں (چاہے وہ کام کسی بھی نوعیت کا ہوں) مشورہ کرنا چاہیے اس میں خیر وبرکت ہے۔ اس مشورہ کرنے کے بارے میں احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق عمل رہا ہے، بالخصوص اس واقعہ میں، خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی عمل رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں سے مشورہ کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کے متعلق حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

(دَعَارَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَرِيرَةَ فَقَالَ: أَيْ بَرِيرَةُ هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ؟ قَالَتْ لَهُ بَرِيرَةُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَارَأَيْتُ عَلَيْهَاأَمْرًاقَطُّ أَغْمِصُهُ, غَيْرَأَنَّهَاجَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَ, فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ, قَالَتْ: فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ يَوْمِهِ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ وَهُوَعَلَى الْمِنْبَرِ, فَقَالَ: يَامَعْشَرَالْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْبَلَغَنِي عَنْهُ أَذَاهُ فِي أَهْلِي وَاللّٰهِ مَاعَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّ خَيْرًا وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًامَاعَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّاخَيْرًا ------------------ قَالَتْ عَائِشَةُ: وَاللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِي قِيلَ لَهُ مَا قِيلَ لَيَقُولُ سُبْحَانَ اللّٰهِ, فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثَى قَطُّ, قَالَتْ: ثُمَّ قُتِلَ بَعْدَ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ -)[1]۔

ترجمہ: " آپ ان کی باندی (بریرہ رضی اللہ عنہا) سے بھی دریافت فرمالیں: وہ حقیقت حال بیان کر دے گی، بیان کیا کہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ: کیا

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، الشھادات، باب: تعدیل النساء بعضھن بعضا، ح: 4141۔

تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمہیں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر) شبہ ہوا ہو؟ بریرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم! اللہ تعالی نے آپ کو حق کے ساتھ ہمارے درمیان مبعوث کیا، میں نے ان کے بارے میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو ناگوار ہو، اتنی بات ضرور ہے کہ، وہ ایک نوعمر لڑکی ہیں آٹا گوندھتے گوندگتے سو جاتی ہیں اور بکری آکر آٹے کو کھا جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: میرے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ کیا تھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا معلومات ہیں تمہیں یا ان میں تم نے کیا چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھتی ہوں (کہ ان کی طرف خلاف واقعہ نسبت کروں) اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی تمام ازواج مطہرات میں میرے مقابل کی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پاکبازی کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا، بیان کیا کہ: البتہ ان کی بہن حمنہ نے غلط راستہ اختیار کیا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئی تھیں۔"

اس سے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کا پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ کرتے یہاں تک آپؐ غلاموں سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ کے مطابق عمل بھی کیا کرتے تھے۔ اس کی بہت مثال سیرت کی کتب سے معلوم ہوتی ہیں۔

غریبوں کی دیکھ بھال کرنا:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فیاضت میں بہت مشہور تھے۔ غرباء کی کفالت کرتے تھے۔ ان فقراء میں (حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ) بھی زیر کفالت تھے، لیکن واقعہ افک کے ان کی کفالت ترک کر دی تھی، پھر نزول قرآن (وہ آیات جو وقعہ افک کے متعلق اتری) کے بعد ان کی کفالت شروع کر دی۔

اس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم غرباء و فقراء کی مدد کریں، ہمارے معاشرے میں ایسے بھی لوگ رہتے ہیں جو کمانے سے لاچار ہیں یا یتیم بچے ہیں، ان کی مالی امداد کرنا ہمارا فرض ہے، تاکہ وہ بھی معاشرے میں دوسرے لوگوں کی طرح اچھی زندگی بسر کر سکے۔

اب اس کے بعد ان مسائل کا ذکر کیا جائے گا جو دیگر مختلف غزوات میں پیش آئے ہیں:

ہدی کے جانوروں کو اشعار کرنا:

غزوہ حدیبیہ میں جب حضرت محمد ﷺ نے عمرہ پر جانے ارادہ کیا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو عمرہ پر جانے کی تیاری کا کہا، صحابہ کرام نے جانے کی تیاری مکمل کرلی۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے ستر اونٹ ہمراہ لیے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو استطاعت تھی انہوں بھی اپنے ساتھ ہدی کے جانور لیے۔ آپؐ نے ان ہدی کو قلادے ڈالے، پھر ان کو اشعار کیا اور وہی عمل صحابہ کرام نے بھی کیا۔[1]

اب یہاں پر یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ اشعار کے کیا معنیٰ[2] ہیں؟ ہدی کے جانوروں کو اشعار کرنا صحیح ہے؟ اور اس میں کیا حکمت ہے؟

اس میں یہ حکمت ہے کہ ہدی کا جانور محترم ہے کیونکہ اس کو اللہ کی راہ میں ذبح کیا جائے گا اور اشعار اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ تاکہ راستے میں ڈاکو نہ لوٹیں۔

قضیہ لیلۃ التعریس[3]:

غزوہ خیبر کے واقعات میں ایک واقعہ لیلۃ التعریس کا بھی جس کو صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

(عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ، قَالَ

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/ 303، 302۔

[2] اشعار: اشعار کے معنیٰ ہے کہ اونٹ کے کوہان کو دونوں جانب سے چیرنے کو کہتے ہیں۔ تاکہ اس سے خون جاری ہو جائے۔ لازم ہے کہ اس میں گہرا زخم نہ لگائے۔ یہ سنت ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی اشعار کرنا بھی مروی ہے۔

[3] تعریس: آخر شب میں سونے کے لئے مسافر کے اترنے اور ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔

بِلَالٌ:أَنَاأُوقِظُكُمْ،فَاضْطَجَعُواوَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ،فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْطَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ،فَقَالَ:يَابِلَالُ،أَيْنَ مَاقُلْتَ؟قَالَ:مَاأُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ،قَالَ:إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَوَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَيَابِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ،فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلَّى-)[1]۔

ترجمہ: "ہم (خیبر سے لوٹ کر) نبی کریم ﷺ کے ساتھ رات میں سفر کر رہے تھے، کسی نے کہا کہ: یارسول اللہ! آپ اب پڑاؤ ڈال دیتے تو بہتر ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے ڈر ہے کہ کہیں نماز کے وقت بھی تم سوتے نہ رہ جاؤ، اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے کہ : میں آپ سب لوگوں کو جگادوں گا، چنانچہ سب لوگ لیٹ گئے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی پیٹھ کجاوہ سے لگالی، اور ان کی بھی آنکھ لگ گئی، جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو سورج کے اوپر کا حصہ نکل چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! تونے کیا کہا تھا، وہ بولے: آج جیسی نیند مجھے کبھی نہیں آئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمہاری ارواح کو جب چاہتا ہے قبض کرلیتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے واپس کر دیتا ہے، اے بلال! اٹھ اور اذان دے، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا ،جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا، تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی۔"

غزوہ خیبر کے واقعات میں ایک واقعہ لیلۃ التعریس کا بھی جس کو صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

(عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ،سَارَلَيْلَهُ حَتَّى إِذَاأَدْرَكَهُ الْكَرَى عَرَّسَ،وَقَالَ لِبِلَالٍ:«اكْلَأْلَنَااللَّيْلَ»،فَصَلَّى بِلَالٌ مَاقُدِّرَلَهُ،وَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ،فَلَمَّاتَقَارَبَ الْفَجْرُاسْتَنَدَ بِلَالٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ مُوَاجِهَ الْفَجْرِ، فَغَلَبَتْ بِلَالًاعَيْنَاهُ وَهُوَمُسْتَنِدٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ،فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُولُ اللهِ ﷺ،وَلَابِلَالٌ،وَلَاأَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ،فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَوَّلَهُمُ اسْتِيقَاظًا،فَفَزِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ،فَقَالَ:«أَيْ بِلَالُ»فَقَالَ بِلَالٌ:أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَبِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَارَسُولَ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: مواقیت الصلاۃ، باب: باب الأذان بعد ذھاب الوقت، ح:318۔

اللهِ بِنَفْسِكَ،قَالَ:(اقْتَادُوا)،فَاقْتَادُوارَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا،ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ،وَأَمَرَبِلاَلاًفَأَقَامَ الصَّلاَةَ،فَصَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ،فَلَمَّا قَضَى الصَّلاَةَ قَالَ:(مَنْ نَسِيَ الصَّلاَةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَاذَكَرَهَا)،فَإِنَّ اللهَ قَالَ:(أَقِمِ الصَّلاَةَ لِذِكْرِي)[طه: 14])[1]

ترجمہ:"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:جب آپ ﷺ جنگ خیبر سے واپس ہوئے تورات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ:جب آپ کو نیند نے آلیا آپ ﷺ نے (سواری سے) اتر کر پڑاؤ کیا اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہمارے لیے رات کا پہرہ دو (نظر رکھو کہ کب صبح ہوتی ہے؟) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مقدور بھر نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سوگئے،جب فجر قریب ہوئی، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے (مطلع) فجر کی طرف رخ کرتے ہوئے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائی، جب وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے، تو ان پر نیند غالب آگئی، چنانچہ حضرت محمد ﷺ بیدار ہوئے، نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور نہ ہی ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نیند سے بیدار ہوا، یہاں تک کہ ان پر سورج کی دھوپ پڑنے لگی سب سے پہلے نبی کریم ﷺ بیدار ہوتے ہوئے گھبرا گئے، عرض کرنے لگے: اے بلال! تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہنے لگے کہ: میری جان کو بھی اسی نے قبضے میں لے لیا تھا جس نے، میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول!--- آپ کی جان کو قبضے میں لے لیا تھا، حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی سواریاں آگے لے جاؤ،وہ اپنی سواریوں کو لے کر کچھ آگے بڑھے، پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے نماز کی اقامت کہی، پھر آپ ﷺ نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی، جب نماز مکمل کی تو عرض کیا کہ: جو شخص نماز (پڑھنا) بھول جائے تو جب اسے یاد آئے اسے پڑھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔

مذکورہ بالا واقعہ سے کئی مسائل مستنبط ہو رہے ہیں۔ ان مسائل کو مندرجہ ذیل ترتیب وار بیان کیا جائے گا:

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب: المساجد و مواضع الصلاۃ، باب: قضاء الصلاۃ الفائتۃ، استحباب تعجیل الصلاۃ، ح:1592۔

آنحضرت ﷺ کا نماز کی قضا کے لیے وادی سے سفر کرنا:

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وادی سے کوچ کرنے کا کیوں کہا اور اس واقعہ میں کیا حکمت پوشیدہ تھی؟اس واقعہ کے متعلق علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکمتیں ذکر کی ہیں جن کو درجہ ذیل بیان کیا جارہا ہے:

بعض علماء کرام ذکر کرتے ہیں کہ ممنوعہ اوقات میں قضا نماز جائز نہیں ہے جیسا کہ مذہب حنفیہ فرماتے ہیں کہ وہاں سے کوچ کرنا اس لئے تھا کہ آفتاب بلند ہو جائے۔

بعض علماء کرام مکروہ اوقات میں نوافل کی ممانعت کو مخصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس وقعہ میں کوچ کرنے کا اسی لئے کہا گیا تھا تا کہ آفتاب بلند ہو جائے پھر نماز ادا کی جائے۔اور کچھ علماء کرام مکروہ اوقات میں ممانعت کو نوافل کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔اسی وجہ حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ اس وادی سے آنحضرت ﷺ کے کوچ فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ شیطان کی جگہ تھی جس نے ہمیں نیند میں مشغول کر دیا اسی وجہ سے وہاں سے کوچ کرنے کا کہا گیا ۔جیسا کہ روایت میں اس کی صراحت بھی موجود ہے اور یہاں تک کہ وضو کرنے ،اذان دینے اور اقامت کہنے میں سورج بلند ہو جاتا اور نماز مکروہ اور ممنوعہ وقت میں ادا نہ ہوتی اور وہاں سے آگے بڑھنے کی حاجت نہ رہتی۔[1]

فوت ہونے والی نمازوں کے لئے اذان واقامت کہنا:

یہاں پر یہ ایک اور مسئلہ بھی پیش آتا ہے کہ فوت ہونے والی نمازوں کے لئے دوبارہ اذان اور اقامت کہی جاسکتی ہے یا نہیں،اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف واقع ہوتا ہے۔اس مسئلہ کو صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے جس کو مندرجہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ہے کہ فوت ہونے والی نمازوں میں صرف اقامت پر اکتفاء کیا جائے گا اور اس میں اذان کی ضرورت نہیں ہے۔امام شافعیؒ نے اس دوسری روایت سے استدلال کیا ہے جس کو مندرجہ بالا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت:2/ 368،367،366۔

حضرات شیخینؒ اس مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں ہیکہ اذان واقامت دونوں کہنا ضروری ہے۔ حضرات شیخینؒ استدلال میں لیلۃ التعریس والی حدیث کو اپنی دلیل میں ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسری دلیل غزوہ خندق کے اس واقعہ کو بھی ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت محمد ﷺ نے اپنی چار قضا ہونی والی نمازوں کو اذان واقامت ساتھ ادا فرمایا تھا۔[1]

ایک اعتراض کا جواب:

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک جگہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

(تَنَامُ عَيْنَايَ وَلاَيَنَامُ قَلْبِيْ)

ترجمہ: "میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے"۔

مطلب یہ کہ میری نیند اور میرا سونا بس اتنا ہی ہے کہ میں آنکھیں تو بند کرلیتا ہوں۔ لیکن میرا دل آگاہ و خبردار رہتا ہے اور فرمایا کہ "میں اپنی خواب کی حالت میں بھی تمہاری باتیں سنتا ہوں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے لئے نیند ناقض وضو نہیں اور پہلا وضو ہی باقی رہتا ہے۔

بعض علماء کرام نے اس کو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور بعض علماء کرام رائے ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہ السلام اس معاملہ میں یکساں ہیں اور انبیاء کرام علیہ السلام کا خواب اور رؤیا دونوں وحی ہیں اور یہ وحی دل کی بیداری کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے۔ لہذا جب انبیاء کرام کا دل بیدار رہتا ہے تو پھر کیوں نہ طلوع فجر کی خبر ہو سکی؟

اس اعتراض کے مختلف پہلو اور ادوار سے جوابات دیے گئے ہیں اور ان جوبات کو مندرجہ ذیل ترتیب وار ذکر کیا جائے گا:

اس کے جواب میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ طلوع و غروب کا معلوم کرنا آنکھ کا کام ہے اور جب آنکھ بند ہو تو طلوع و غروب کا علم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اب بھی ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ وحی یا الہام سے یہ کیوں معلوم نہ ہو سکا؟ اس کا جواب یہ کہ حکمت الٰہی نے یہ اقتضاء کیا کہ کشف نہ ہو اور اس کے بارے میں وحی نازل نہ ہوئی تا کہ قضائے فوائت کی تشریع کا سبب اور شرف اتباع اور ادراک ہو۔ جس طرح آنحضرت ﷺ پر سہو و نسیان کے عارض ہونے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے۔

---

[1] سکروڈھوی، مولانا جمیل احمد، **اشرف الہدایہ (دارالاشاعت، اردو بازار ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان)**، کتاب الصلوۃ: 1 / 270،269۔

اس کے بارے میں مصنف علیہ الرحمۃ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یقیناً دل بیدار ہو گا اور نیند و خواب کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا ہو گا، لیکن اس وقت یہ ممکن ہو سکتا ہے حضور ﷺ مشاہدہ ربانی حاصل ہوا ہو اور حضور ﷺ اس میں اتنے مستغرق ہوں کہ اس مشاہدہ کے ماسواء ہر صور معانی سے آپ ﷺ بے نیاز و غافل ہوں جس طرح کہ بعض اوقات خصوصاً وحی وغیرہ کی کیفیت میں ایسی صورت رونما ہو جاتی ہے جس کے باعث عدم ادراک، نسیان، غفلت اور نیند نہیں ہے۔ بلکہ قلب نبوی ﷺ پر ایک عظیم حالت کا طاری ہو جانا جسے خدائے عزوجل کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

بعض صوفیائے کرام کی یہ رائے ہیں کہ یہ خواب اور فراموشی حضور اکرم ﷺ کے لئے ابتلاء الٰہی تھا۔ جو تدبیر کے اختیار کرنے اور معاملہ کو خدا کے سپرد نہ کرنے کا سبب ہوا کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رات کی نگہبانی پر مقرر فرما کر تدبیر اختیار فرمائی تھی اور حق تعالیٰ کی نظر انداز اور بھلا دیا تھا۔[1]

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بارے میں اپنی طرف سے عقلی قیاس کرنا اور فہم و تفہیم سے کوئی بات کہنا سوء ادب کے زمرے میں آتا ہے لہذا اس سے پرہیز اور اجتناب کرنا بے حد ضروری ہے۔ لیکن حقیقت حال اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور علیم و خبیر ہیں۔ واعلم بالصواب۔

گدھے کے گوشت کی حرمت:

غزوہ خیبر میں واقعات میں سے ایک "واقعہ لحم خر کی حرمت" کا ہے، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا گدھے کا گوشت کھانا جائز ہے یا ہیں؟ اس کے حوالے سے مختلف احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں اس میں سے ایک حدیث مبارکہ کو مندرجہ ذیل میں بیان کیا جائے گا:

(عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ فَسِرْنَا لَيْلًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرِ بْنِ الْأَكْوَعِ: أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ؟ قَالَ: وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَاغْفِرْ فِدَاءٌ لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟ قَالُوا: عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ، فَقَالَ: يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ، قَالَ: فَأَتَيْنَا خَيْبَرَ فَحَاصَرْنَاهُمْ

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/368۔

حَتَّى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ،ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ فَتَحَهَا عَلَيْهِمْ،فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ الْيَوْمَ الَّذِي فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ أَوْقَدُوا نِيرَانًا كَثِيرَةً،فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ:مَا هَذِهِ النِّيرَانُ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟قَالُوا:عَلَى لَحْمٍ،قَالَ:عَلَى أَيِّ لَحْمٍ؟قَالُوا:عَلَى لَحْمِ حُمُرٍإِنْسِيَّةٍ،فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ:أَهْرِقُوهَاوَاكْسِرُوهَا،فَقَالَ رَجُلٌ:يَارَسُولَ اللَّهِ أَوْنُهَرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا،----------------فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ:كَذَبَ مَنْ قَالَهُ،إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ،وَجَمَعَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قَلَّ عَرَبِيٌّ نَشَأَ بِهَا مِثْلَه-)[1]۔

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ خیبر میں گئے اور ہم نے رات میں سفر کیا، اتنے میں مسلمانوں کے آدمی نے عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: اپنے کچھ شعر اشعار سناؤ۔ راوی نے بیان کیا کہ عامر شاعر تھے؟ وہ لوگوں کو اپنی حدی سنانے لگے:"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ ہم صدقہ دے سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے، ہم تجھ پر فدا ہوں، ہم نے جو کچھ پہلے گناہ کئے ان کو تو معاف کر دے اور جب (دشمن سے) ہمارا سامنا ہو، تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر سکون نازل فرما۔ جب ہمیں جنگ کے لیے بلایا جاتا ہے، تو ہم موجود ہو جاتے ہیں اور دشمن نے بھی پکار کر ہم سے نجات چاہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون اونٹوں کو ہانک رہا ہے جو حدی گا رہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ: عامر بن اکوع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ پاک اس پر رحم کرے، ایک صحابی یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اب تو عامر شہید ہوئے۔ کاش اور چند روز آپ ہم کو عامر سے فائدہ اٹھانے دیتے، راوی نے بیان کیا کہ: پھر ہم خیبر آئے اور اس کو گھیر لیا اس گھراؤ میں ہم شدید فاقوں میں مبتلا ہوئے، پھر اللہ تعالی نے خیبر والوں پر ہم کو فتح عطا فرمائی، جس دن ان پر فتح ہوئی اس کی شام کو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ: یہ آگ کیسی ہے؟ کام کے لیے تم لوگوں نے یہ آگ جلائی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: گوشت پکانے کے لیے، اس پر آپ نے دریافت فرمایا: کس چیز کے گوشت کے لیے؟ صحابہ نے کہا کہ: بستی کے پالتو گدھوں کا گوشت پکانے کے لیے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الادب، باب: مایجوز من الشعر والرجز والحداء ومایکرہ منہ، ح:6148۔

: گوشت کو برتنوں میں سے پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو، ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم گوشت تو پھینک دیں، مگر برتن توڑنے کے بجائے اگر دھو لیں؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے یہ بات کہی اس نے جھوٹ کہاہے، انہیں تو دوہرا اجر ملے گا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا کہ: وہ عابد بھی تھا اور مجاہد بھی، عامر کی طرح تو بہت کم بہادر عرب میں پیدا ہوئے ہیں۔"

اس کی تفصیل میں بعض علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ پالتو گدھا فرمانا۔ جنگلی گدھے سے احتراز کے لئے ہے کیونکہ حمار وحشی حلال ہے۔ اور پالتو گدھا بھی حلال تھا مگر اب حرام کر دیا گیا۔[1]

اس کی ممانعت میں چند حکمتیں بیان کی گئی ہیں کہ:

1۔ اس کو حرام اس لیے قرار دیا گیا کہ ان میں سے خمس نہیں نکالا گیا تھا۔

2۔ اور بعض اس کی حکمت یہ فرماتے ہیں کہ بوجھ لادنے کی وجہ سے تھا چونکہ اس وقت ان کی ضرورت تھی۔

3۔ لیکن درست بات یہ ہے کہ اس کی ممانعت کی حکمت حرمت و نجاست ہے اس لئے کہ وہ ناپاک و پلید ہے۔

گھوڑے کے گوشت کا حکم:

غزوہ خیبر میں ایک مسئلہ یہ بھی پیش آیا کہ گھوڑے کا گوشت کا کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

(عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ،قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ،وَرَخَّصَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ-)[2]

ترجمہ: "خیبر کی جنگ میں حضور اکرم ﷺ نے گدھے کا گوشت کھانے کے بارے میں ممانعت فرمادی تھی، اور گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں رخصت فرمادی تھی۔"

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت،: 2/369۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الذبائح والصید، باب: لحوم الخیل، ح: 4219۔

(عَنْ جَابِرِبَنِ عَبْدِ اللَّهِ،قَالَ:نَهَى رَسُولُ اللَّهِﷺيَوْمَ خَيْبَرَعَنْ أَنْ نَأْكُلَ لُحُومَ الْحُمُرِوَأَمَرَنَاأَنْ نَأْكُلَ لُحُومَ الْخَيْلِ قَالَ عَمْرٌو:فَأَخْبَرْتُ هَذَا الْخَبَرَأَبَاالشَّعْثَاءِ،فَقَالَ:قَدْ كَانَ الْحَكَمُ الْغِفَارِيُّ فِينَايَقُولُ هَذَا،وَأَبَى ذَلِكَ الْبَحْرُيُرِيدُ ابْنَ عَبَّاسٍ-)[1]

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کے گوشت کھانے سے منع فرمایااور ہمیں گھوڑے کا گوشت کھانے کا حکم دیا۔ عمرو کہتے ہیں: ابوالشعثاء کو میں نے اس حدیث سے باخبر کیا، توانہوں نے کہا: حکم غفاری بھی ہم سے یہی کہتے تھے اور اس (بحر)(عالم) نے اس حدیث کا انکار کیاہے، ان کی مراد ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تھی۔"

مذکورہ مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف پایاجاتاہے کہ:

امام شافعیؒ، امام یوسفؒ، امام محمدؒ اور اکثر علماء کے نزدیک گھوڑے گوشت جائز اور مباح ہے۔ جمہور استدلال پہلی حدیث سے کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے ہاں مکروہ ہے اور بعض مالکیہ نے گھوڑے گوشت کو مکروہ تحریمی کہااور بعض نے مکروہ تنزیہی کہاہے۔ امام صاحبؒ دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن امام صاحبؒ نے لحم فرس کی حرمت سے اپنی رحلت سے تین دن پہلے رجوع فرمالیاتھااسی پر فتویٰ ہے۔[2]

اس کے کھانے کی کراہت اس بناپر ہے کہ وہ جہاد میں استعمال ہوتاہے، لہٰذا کراہت خارجی سبب سے ہے نہ کہ ذات حیوان میں۔

لہسن وپیاز کا حکم:

غزوہ خیبر کے واقعات میں سے ایک مسئلہ لہسن وپیاز کے بارے میں ہے۔ جسے حدیث مبارکہ میں لایا گیاہے کہ:

---

[1] أبو داود، سلیمان بن الأشعث السِّجِستاني، **سنن ابی داؤد، (المکتبۃ العصریۃ، صیدا- بیروت، عدد الأجزاء:4)**، کتاب: الاطعمۃ، باب: فی اکل لحوم الحمر الاھلیۃ، حدیث نمبر 3808، حدیث صحیح۔ إسنادہ صحیح. والرجل المبھم في ھذا الخبر ھو محمد بن علي الباقر. أبو الشعثاء: ھو جابر بن زید. المحقق: شعَیب الأرنؤوط- محمَّد کامِل والناشر: دار الرسالۃ العالمیۃ

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 2/369۔

(عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا،أَنّ النَّبِيَّﷺقَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَمَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّومَ فَلَايَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا-)[1]

ترجمہ:"ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا تھا کہ: جو شخص اس درخت (لہسن) کو کھایا ہوا، ہو تو اسے ہماری مسجد میں نہ آنا چاہیے۔"

اس مسئلہ کے بارے میں صحیح بات اور حکمت یہ ہے کہ لہسن وپیاز کا کھانا حرام نہیں ہے لیکن اس کے کھانے کے بعد مساجد اور مجالس خیر میں جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کی بو سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسی سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہم مساجد او مجلس خیر میں لہسن وپیاز نہ کھا کر جانا چاہیے۔

حرمت متعہ:

اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں سے ایک مسئلہ حرمت متعہ کا ہے۔ اس مسئلہ کے حرمت کے متعلق مختلف ادوار ہیں جن کو درجہ ذیل بیان کیا جائے گا:

ابتداء اسلام سے لے کر غزوہ خیبر تک متعہ مباح تھا۔ اس کے بعد غزوہ میا سے حرام قرار دیدیا گیا، پھر اس غزوہ کے بعد فتح یوم اوطاس تک مباح کر دیا گیا۔ یوم اوطاس، فتح مکہ کے بعد ہے اسے فتح مکہ کے ساتھ اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بالکل متصل ہی واقعہ ہوا۔ پھر اس کے بعد تین دن کے لیے حلال کر دیا گیا، پھر اس کے بعد اسے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا۔ اس کی حرمت ابدی ودائمی ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف نہیں ہے بجز روافض کے وہ اس کی حرمت وحلت میں اختلاف کرتے ہیں۔[2]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الاذان، باب: ماجاءفي الثوم النيء والبصل والكراث، ح:440۔

[2] دہلوی، مدارج النبوت:2/372۔

یہود کا زہر دینا:

غزوہ خیبر کے واقعات میں سے ایک مسئلہ اہل خیبر کا آنحضرت ﷺ کو زہر دینا ہے اور یہ زہر دینے والی زینب بنت حارث یہودیہ عورت تھی جس کو حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ،فَأَكَلَ مِنْهَا،فَجِيءَ بِهَا، فَقِيلَ:أَلَا نَقْتُلُهَا؟قَالَ:لَا،فَمَازِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ-)[1]۔

ترجمہ:"ایک یہودی عورت آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں زہر ملا ہوا، بکری کا بھنا ہوا گوشت لائی، آپ ﷺ نے کچھ کھایا، پھر جب اسے لایا گیا، تو کہا گیا کہ: کیوں نہ اسے قتل کر دیا جائے؟ لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں، اس زہر کا اثر میں نے ہمیشہ اپنے تالو میں محسوس کیا۔"

دوسری جگہ بخاری کی حدیث ہے کہ:

(قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا:كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ:يَاعَائِشَةُ،مَاأَزَالُ أَجِدُأَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ،فَهَذَاأَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذَلِكَ السُّمِّ-)[2]۔

ترجمہ:"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: آنحضرت ﷺ اپنے مرض وفات میں ارشاد فرماتے تھے کہ: خیبر میں زہر آلود لقمہ جو میں نے اپنے منہ میں کھالیا تھا، اس کی وجہ سے آج بھی تکلیف میں محسوس کرتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ: اس زہر کی تکلیف وجہ سے میری شہ رگ کٹ جائے گی۔"

اس واقعہ کے ضمن میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی فرد کھانے میں زہر ملا کر کسی کو دیدے یہاں تک کہ وہ اس میں مر جائے تو اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ احناف اور جمہور ائمہ شوافعؒ کے نزدیک ایسی حالت میں

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الھبۃ وفضلھا والتحریص، باب: قبول الھدیۃ من المشرکین، ح:1182۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: المغازی، باب: مرض النبی ﷺ ووفاتہ، ح:618۔

قصاص جائز نہیں ہے لہٰذا ان کے مذہب کی بنا پر اگر قتل کی روایت صحیح ہو تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اور سولی کا قصہ جو قتل کی روایت میں واقع ہے اس کی تائید و توجیہہ ظاہر ہوتی ہے۔[1]

[1] دہلوی، مدارج النبوت:2/362،361،360۔

بابِ چہارم

صدقات وغنائم کے مسائل

فصلِ اول: انفاق فی سبیل اللہ

فصلِ دوم: مال غنیمت

فصلِ سوم: مال فئے

فصلِ اول

انفاق فی سبیل اللہ

اسلام میں انفاق کی بہت بڑی فضیلت ہے، انفاق کی کئی صورتیں ہیں اور ایک صورت انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی اہمیت ہے اور اجر وثواب ہے۔ اسلام ہر مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کے جذبہ کو ابھارتا ہے کہ وہ اپنے مال کی محبت میں مال کا اسیر نہ بن جائے بلکہ ضرورت سے زائد مال کو اللہ کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کردے۔ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے بدلہ میں اس کی شان بڑھا دیتے ہیں اور اس کی قدر ومنزلت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہ نہ صرف منفق کے درجات کو بلند کرتا ہے بلکہ اس کے مال ودولت کی نشو نما بھی کرتا ہے۔ بظاہر ہمیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پیسے خرچ کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں خیر وبرکت ڈال دیتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق قرآن وحدیث میں بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں اور قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُم يُنفِقُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: "اور وہ لوگ جو ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے قرآن کریم میں دوسری مقام پر ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالهم فِيْ سَبِيْلِ الله كَمَثَلِ حبة اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّة والله يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ والله وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[2]

---

[1] البقرۃ:03۔

[2] البقرۃ:261۔

ترجمہ: "جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس کے اندر سے سات بالیاں نکلیں اور پھر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ سبحانہ جس کو چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ سبحانہ فراوانی والا اور علم والا ہے۔"

قرآن کریم کی ان مندرجہ بالا دو آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ذکر گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو صرف کرتے ہیں (حج میں یا جہاد میں یا فقراء و مساکین اور بیواؤں اور یتیموں پر یا بہ نیت امداد اپنے عزیزوں دوستوں پر) اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فرد ایک دانہ گیہوں کا عمدہ زمین بوئے پھر اس دانہ سے گیہوں کا ایک پودا نکلے جس میں سات خوشے گیہوں کے پیدا ہوں اور پھر اس کے ہر خوشے میں سو دانے ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہو گئے۔ اس میں انفاق فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک روپیہ صرف کرنے پر سات سو روپیہ کا اجر و ثواب ملتا ہے[1]۔

خلاصہ کلام اس آیت مبارکہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں بتلایا کہ جو فرد اللہ تعالی کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو اس کا ثواب سات سو گنا خرچ کرنے والے کا ملتا ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب ہے جس کو قرآن و احادیث میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق صحیح بخاری میں ارشاد ہے کہ:

(عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ, قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ, يَقُولُ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٍ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٍ آتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا-)[2]۔

ترجمہ: "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد بیان کرتے ہوئے سنا کہ: حسد کرنا صرف دو ہی آدمیوں کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ ایک تو اس فرد کے ساتھ جس کو اللہ تعالی نے مال دیا، پھر اللہ نے اس کے مال کو مناسب جگہوں میں صرف کرنے کی توفیق دی۔ دوسرا اس فرد کے بارے میں: جس کو اللہ نے حکمت دی، وہ

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1/ 237،236۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الزکاۃ، باب: إنفاق المال في حقه، ح: 2749۔

اپنی حکمت کے مطابق حق وسچ کے فیصلے کرتا ہے اور پھر عوام الناس کو اس حق وسچ کی تعلیم دیتا ہے۔"

حدیث مبارک میں بیان گیا ہے کہ دو چیزوں کے بارے میں حسد کیا جاسکتا ہے، ان میں سے ایک انفاق فی سبیل اللہ میں اور دوسرا تعلیم و تعلم میں اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لینے کے لیے حسد کیا جاسکتا ہیں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ اس میں اجر وثواب ہے۔

مندرجہ ذیل ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تذکرہ کیا جائے گا کہ جنہوں نے غزوہ تبوک میں انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ:

(أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا أَنْ نَتَصَدَّقَ، فَوَافَقَ ذَلِكَ مَالًا عِنْدِي، فَقُلْتُ: الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَابَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ قُلْتُ: مِثْلَهُ، قَالَ: وَأَتَى أَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، قُلْتُ: لَا أُسَابِقُكَ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا)[1]۔

ترجمہ: " ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: ہم اللہ کی راہ میں صدقہ کریں، اتفاقاً اس وقت میرے پاس کافی مال و دولت تھی، میں نے کہا: اگر میں کسی دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جا سکوں گا، تو آج کا دن ہو گا، چنانچہ میں اپنا آدھا مال اور سازوسامان لے کر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے کہا: آدھا مال اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال و دولت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اپنے گھر

---

[1] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب: الزکاۃ، باب: فی الرخصۃ فی ذلک، ح: 1678، حدیث صحیح۔ إسنادہ صحیح. والرجل المبهم في هذا الخبر هو محمد بن علي الباقر كما سلف بيانه في الحديث رقم (3788). أبو الشعثاء: هو جابر بن زيد، المحقق: شعَيب الأرنؤوط - محمَّد كامِل قره بللي، الناشر: دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430هـ - 2009م

والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں ،تب میں نے کہا: میں کبھی بھی کسی معاملے میں آپ سے آگے نہیں بڑھ سکوں گا۔"

مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں اللہ تعالی کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا یہاں تک اپنے گھر کا سارا سازو سامان غزوہ کی تیاری کے لیے حاضر کر دیا اور گھر میں صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام باقی چھوڑا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق حدیث میں فرمان ہے کہ:

(سَمِعْتُ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، يَقُولُ: أَمَرَنَارَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًاأَنْ نَتَصَدَّقَ،فَوَافَقَ ذَلِكَ مَالًاعِنْدِي،فَقُلْتُ: الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَابَكْرٍإِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي،فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَاأَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟قُلْتُ: مِثْلَهُ،قَالَ: وَأَتَى أَبُوبَكْرٍ رضی اللہ عنہ بِكُلِّ مَاعِنْدَهُ،فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَاأَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ،قُلْتُ: لَاأُسَابِقُكَ إِلَى شَيْءٍأَبَدًا)[1]۔

ترجمہ:"میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: ہم اللہ کی راہ میں صدقہ کریں، اتفاق سے اس وقت میرے پاس کافی سازو سامان اور دولت موجود تھی، تو میں نے کہا: اگر میں کسی دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جا سکوں گا ،تو وہ دن آج ہی کا دن ہو گا، چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آپ اپنے گھر والوں کے لیے کیا مال چھوڑا ہے؟ میں

[1] ابو داوٗد، سنن ابی داوٗد، کتاب: الزکاۃ، باب: فی الرخصۃ فی ذلک، ح: 1678، حدیث صحیح۔ حدیث حسن. هشام بن سعد وان كان فيه كلام، قال الترمذي في حديثه هذا: حسن صحيح، وصححه الحاكم، وقال البزار بعد أن أخرجه في "مسنده" (270): لم نر أحداً توقف عن حديث هشام بن سعد، ولا اعتل عليه بعلة توجب التوقف عن حديثه. وصححه كذلک شيخ الإسلام ابن تيمية في "منهاج السنة النبوية" 8 / 499، وابن الملقن في "البدر المنير" 7 / 414. وأخرجه الترمذي (4006) عن هارون بن عبد الله البزاز، عن الفضل بن دُكين، بهذا الإسناد۔

نے کہا: آدھا مال اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: آپ اپنے گھر والوں کے لیے کیا مال چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میں گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ کر آیا ہوں، تب میں نے (دل میں) کہا: میں آپ سے کبھی بھی کسی معاملے میں سبقت نہیں لے جا سکوں گا۔"

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں اللہ تعالی کی راہ میں اپنے مال کا آدھا سامان اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور آدھا سامان اپنے گھر میں باقی رہنے دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق میں حدیث میں فرمان ذکر ہے کہ:

(عَنْ عَبْدِالرَّحْمَنِ بْنِ خَبَّابٍ،قَالَ:شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺوَهُوَيَحُثُّ عَلَى جَيْشِ الْعُسْرَةِ،فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺعَلَيَّ مِائَةُ بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ،ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ،فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ،فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺعَلَيَّ مِائَتَا بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا،وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ،ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ،فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺعَلَيَّ ثَلَاثُ مِائَةِ بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا،وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ،فَأَنَارَأَيْتُ رَسُولَ ﷺيَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ وَهُوَيَقُولُ:مَاعَلَى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ مَاعَلَى عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ مَاعَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ)[1]۔

ترجمہ:"میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دی، آپ غزوہ تبوک کے ساز و سامان کی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے، تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بولے: اللہ کے

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الكبير سنن الترمذي،،(دار الغرب الإسلامي - بيروت، سنة النشر:1998م، عدد الأجزاء:6) ابواب المناقب، باب: فی مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، وله كنيتان، يقال ابو عمرو، وابو عبد الله، ح:3700، حديث ضعيف۔ لكتاب:ضعيف سنن الترمذي، المؤلف: محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى: 1420ھ-)، أشرف على طباعته والتعليق عليه: زهير الشاويش، بتكليف: من مكتب التربية العربي لدول الخليج - الرياض، توزيع: المكتب الاسلامي - بيروت، الطبعة: الأولى، 1411ھ-- 1991م،(فضائل و مناقب میں ضعیف روایت کو ذکر کیا جا سکتا ہے)۔

رسول ﷺ! میرے اوپر اللہ سبحانہ کی راہ میں سو اونٹ ہیں ساز وسامان کے ساتھ، آپ ﷺ نے پھر اس کی ترغیب دلائی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور بولے: اللہ کے رسول ﷺ! میرے اوپر اللہ تعالی کی راہ میں دو سو اونٹ ہیں ساز و سامان کے ساتھ، آپ ﷺ نے پھر اسی کی ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور بولے اللہ کے رسول ﷺ! میرے اوپر اللہ تبارک وتعالی کی راہ میں تین سو اونٹ ہیں ساز و سامان کے ساتھ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ منبر سے یہ کہتے ہوئے اتر رہے تھے کہ "اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی مواخذہ نہیں جو بھی کریں، اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی مواخذہ نہیں جو بھی کریں"۔ "

اس حدیث پاک میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں اللہ تعالی کی راہ میں دو سو اونٹ مع سازو سامان عطا فرمائے، پھر حضور اکرم ﷺ کی ترغیب پر پھر آپ نے مزید تین سو اونٹ سازوسامان کے ساتھ اللہ کی راہ میں دیے۔ اس حدیث مبارکہ کے علاوہ اور بہت سی احادیث مبارکہ میں مختلف سامان مہیا کرنے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ:

ارباب سیر کے آراء ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی جن کا نام عتبہ رضی اللہ عنہ تھا، حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! میں مال وزر تو رکھتا نہیں کہ راہ خدا میں پیش کر سکوں البتہ اپنی عزت و آبرو کو لوگوں پر حلال کرتا ہوں، وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا اور جو خدمت چاہیں مجھ سے لیں اور جس طرح مدد چاہیں لیں انہیں معاف ہو گا"۔ فرمایا "حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کر لیا۔"[1]

اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک صحابی کے پاس مال نہ ہونے باوجود اپنے آپ کو پیش کر لیا اور فرمایا کہ جو خدمت مجھ سے لینا چاہتے ہو لے لو۔

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/486۔

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے آیات اور احادیث کو ذکر کرنے بعد اب ان سے حاصل ہونے والے نصائح اور حکم کو ذکر کیا جائے گا:

انفاق کی کئی صورتیں ہیں چاہے وہ زکوۃ کی صورت میں ہو یا صدقہ وخیرات کی صورت میں ہو یا پھر انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں ہو اور ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ احکام وفضائل اور اجر وثواب ہے۔

یہاں پر جو مقصود ہے وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے، پھر اس کی دو صورتیں بنتی ہیں ایک میں سے ایک صورت "جانی " ہے یعنی اپنی جان کو اللہ کی راہ میں صرف کر دینا جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور دوسری صورت "مالی" ہے یعنی اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کرنا اور ان دونوں کا تذکرہ مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ میں مال کی بڑھوتری کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اخلاص کو دیکھا جاتا ہے۔

انفاق فی سبیل میں اللہ تعالیٰ منفق کے مال میں بڑھوتری کر دیتے ہیں جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ "من تصدق بعدل تمرة-------------"۔

اللہ تعالیٰ منفق کے مال کو قیامت کے دن سات گنا بڑھا دے گے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ "لک بھا یوم القیامة سبعمة ناقة کلھا---------"

اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے دیکھنے میں تو مال گھٹ جاتا ہے لیکن حقیقت میں اللہ تعالی اس کے مال برکت ڈال دیتے۔

فصلِ دوم

مالِ غنیمت

اللہ تعالیٰ نے امت محمدی پر بہت سے انعامات عطا کیے ہیں۔ان میں سے ایک انعام مال غنیمت کا حلال کرنا ہے۔اس سے قبل تمام امتوں پر مال غنیمت حرام تھا۔لیکن اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اسے حلال کر دیا اور اسے اپنے استعمال میں لانے لگے۔اس کا قرآن کریم میں کئی مقامات پر ذکر ہوا ہے:

﴿------فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ:"پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے خوب کھاؤ پیو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے۔"

اس آیت کی تفسیر کے متعلق ترمذی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:مالِ غنیمت آپ سے پہلے کسی قوم کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا،بدر کے موقع میں جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے،حالانکہ ابھی تک ان کے لئے مالِ غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا،اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آجانا چاہئے تھا،لیکن چونکہ اللہ تعالی کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ اس امت کے لئے مالِ غنیمت حلال کیا جائے گا،اس لئے مسلمانوں کی اس خطاء پر عذاب نازل نہیں کیا تھا۔[2]

دوسری جگہ مال غنیمت کے بارے میں آیت ہے کہ:

---

[1] الانفال:69۔

[2] مظہری،التفسیر المظہری،4،3/118۔۔

﴿وَاعۡلَمُوۡۤااَنَّمَاغَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ،وَلِلرَّسُوۡلِ،وَلِذِی الۡقُرۡبٰی،وَالۡیَتٰمٰی،وَالۡمَسٰکِیۡنِ،وَابۡنِ السَّبِیۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَمَاۤاَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَایَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾[1]

ترجمہ:" جان لو کہ آپ مال غنیمت کی جو بھی قسم حاصل کر رہے ہیں،اس میں اللہ ورسول کا پانچوان حصہ ،اورآپ ﷺ کے قرابت داروں کا،اور یتیموں کا،اور مسکینوں کا،اورراہگیروں کاہے،اوراگر آپ اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو،اوراس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہو جس چیز کو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتاری تھی جو کہ وہ حق وجدائی کا دن تھا ،اس دن دو گروہ بھڑ گئے تھے،اوراللہ ہر شی پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق بیان کیا گیا ہے جس کو مندرجہ ذیل میں بیان کیا جائے گا۔مال غنیمت کے بارے میں بہت احادیث میں تذکرہ موجود ہے کہ:

(قَالَ رَسُولُ اللَّهِ:أُعْطِيتُ خَمْسًالَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌمِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ،وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا،وَأَيُّمَارَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ،وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً،وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً،وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ۔)[2]

ترجمہ:" آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی جو پہلے انبیاء کرام کو نہیں عطا کی گئیں تھیں۔(1)میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ایک ماہ کے راستے سے،(2)مجھے تمام روئے زمین سے پاکی حاصل کرنے اورروئے زمین پر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے،اسی وجہ سے جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہیں نماز پڑھ لے،(3)مال غنیمت کو میرے لیے مباح کر دیا گیاہے،(4)مجھے تمام بنی نوع انسان کی

[1] الانفال:41۔

[2] بخاری،الجامع الصحیح،کتاب:الصلاۃ،باب:قول النبي ﷺ:جعلت لي الأرض مسجد اوطھورا،ح:182۔

رہنمائی وہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن مجھ سے پہلے انبیاء کرام کو خاص اقوام کے لیے بھیجا جاتا تھا اور (5) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔"

اس حدیث مبارکہ میں ایسی پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، جس کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر انعام کی گیا اور ان میں ایک مال غنیمت ہے جو پہلے انبیاء کرام پر انعام نہیں کی گئی۔

(عَنِ النَّبِيِّ ﷺ،قَالَ:انْتَدَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ،لَايُخْرِجُهُ إِلَّاإِيمَانٌ بِي،وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَانَالَ مِنْ أَجْرٍأَوْغَنِيمَةٍ أَوْأُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ،وَلَوْلَاأَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَاقَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍوَلَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ،ثُمَّ أُحْيَا،ثُمَّ أُقْتَلُ،ثُمَّ أُحْيَا،ثُمَّ أُقْتَلُ-)[1]

ترجمہ:"آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو کوئی بھی شخص اللہ تعالی کی راہ میں نکلا، اللہ اس کا ذمہ دار ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد باری تعالی ہے) اس کو میری ذات اقدس پر یقین، میرے پیغمبروں کی تصدیق نے (اس سرفروشی کے لیے گھر سے) نکالا ہے۔ (میں اس بات کا ضامن ہوں) کہ: یا تو اس کو واپس کر دوں ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ، یا (شہید ہونے کے بعد) جنت میں داخل کر دوں (رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا) اور اگر میں اپنی امت پر (اس کام کو) دشوار نہ سمجھتا، تو لشکر کا ساتھ نہ چھوڑتا، اور میری خواہش ہے کہ: اللہ کی راہ میں مر جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔"

مالِ غنیمت کی تعریف:

کتاب التعریف میں جرجانیؒ نے غنیمت کی تعریف کی ہے کہ:

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: الایمان، باب: باب: الجھاد من الإیمان، ح:27.

اسم لما يؤخذ من أموال الكفرة بقوة الغزاة، وقهر الكفرة-[1]

صاحب بذل القوۃ نے مالِ غنیمت کی تعریف بیان کی ہے کہ:

کفار سے جنگ کرنے کے بعد جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسے غنیمت کہتے ہیں۔[2]

مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ:

مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ارشاد پاک ہے کہ:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾[3]

ترجمہ: "اور یاد رکھو مال غنیمت میں سے جو کچھ تم حاصل کرو، پس پانچواں حصہ اس میں اللہ ورسول کا، اور رشتہ داروں کا، اور یتیموں کا، اور مسکینوں کا، اور راہگیروں کا ہے۔ اگر آپ اللہ تعالی پر ایمان لائے ہو تو، اس چیز پر ایمان لاتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر، اس دن اتارا ہے، جو کہ حق وباطل کا دن ہے، جو کہ جدائی کا دن تھا، اس دن دو لشکر بھڑ گئیں تھیں۔ اور اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔"

مالِ غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، ایک خمس (ایک حصہ) ان لوگوں کے لیے جو مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہیں، اور چار حصے غازیوں میں تقسیم کیے جائیں گے یعنی ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، دوسرا حصہ آپ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کا یہ دو حصے عسکری قوت کے حصول میں صرف کیے جائیں گے، مالِ غنیمت کے بقیہ چار حصے غانمین (غازیوں) میں تقسیم کیے جائیں گے، گھوڑے کے دو حصے ہوں اور اس کے علاوہ اس کے سوار کا ایک حصہ

---

[1] الجرجاني، علي بن محمد بن علي الزين الشريف، کتاب التعریفات، الناشر وصححہ: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان الطبعۃ: الأولی 1403ھ-1983 معدد الأجزاء: 1جه القهر والغلبة

[2] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص 341--

[3] الانفال: 41۔

ہو گا اور پیادہ کا بھی ایک حصہ ہو گا، لیکن وہ عورتیں جو لشکر اسلام کی خدمت اور ان مریضوں اور مجرموں کی تیمارداری کے لئے ہمراہ لائے تھے ان کے لئے سہم یعنی حصہ نہ تھا بلکہ انہیں مالِ غنیمت میں سے کچھ عطا فرمادیا۔[1]

یہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ ہے جو قرآن وحدیث کے موافق ہے اور آپ ﷺ کا اس پر عمل رہا ہے اور یہی طریقہ احسن ہے۔

مال غنیمت کی تعریف اور اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ذکر کرنے کے بعد اب اس سے حاصل ہونے والے عبر وحکم کو ذکر کیا جائے گا:

مال غنیمت آپ ﷺ کی امت کے ساتھ خاص ہے اور آپ کی امت کے لئے اس کو حلال کیا گیا اور اس سے پہلے امت کے لیے اس کا استعمال کرنا حرام تھا۔

پانچ حصوں میں مال غنیمت کو منقسم کیا جاتا تھا پھر اس تقسیم میں سے پانچواں حصہ اللہ ورسول کے لیے خاص تھا اور اس حصے سے کسی کو لینے کی اجازت نہیں تھی۔ بقیہ چار حصے شرکاءِ جنگ کے ہوتے تھے۔

مال غنیمت صرف انہی کو ملتی تھی جنہوں نے جنگ کے اندر لڑائی میں حصہ لیا ہو اور اس کی تقسیم کار کا ذکر مندرجہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے آپ ﷺ کا اہل وعیال مستثنیٰ ہے کیونکہ ان کے احکام اور لوگوں سے ذرا مختلف ہیں، اور لوگ زکوۃ لے سکتے ہیں لیکن آپ ﷺ کا اہل اس سے پاک ہے اس وجہ سے آپ کے اہل کا مالِ غنیمت میں حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

مال غنیمت شرکاءِ جنگ کو اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کسی کو کوئی چیز لینے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ اس میں شرکاءِ جنگ کا حصہ تھا وہ بھی اسکے ہر حصہ کے مالک ہوتے تھے۔ ہاں لیکن کھانے پینے چیزوں کو لینے کی اجازت تھی اور وہ اشیاء جو جنگ میں استعمال ہوسکتی تھیں اور استعمال کے بعد اس کو واپس کر دینا ضروری ہوتا تھا۔

---

[1] دہلوی، مدارج النبوت: 2/455۔

مال غنیمت صرف غازیوں کو ملتا ہے اور شہداء کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا حصہ ورثاء کو ملتا ہے بلکہ اس کا حصہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب موجود ہے۔

فصلِ سوم

مال فئے

مال غنیمت کی طرح ایک اور بھی مال غنیمت کی قسم ہے جس مال فئے کہا جاتا ہے۔اس کو بھی جنگ(وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آئے) سے حاصل کیا جاتا ہے لیکن یہ مال غنیمت سے بالکل مختلف ہے۔اس کا بھی تذکرہ قرآن کریم موجود ہے۔اسکے بارے میں قرآن کریم ذکر ہے کہ:

﴿وَمَآاَفَآءَ الله عَلٰی رسوله منهم فَمَآاَوْجَفْتُمْ عليه مِنْ خَيْلٍ وَّلَارِكَابٍ وَّلٰكِنَّ الله يُسَلِّطُ رسله عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ وَالله عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾[1]

ترجمہ:"اور جو ان کا مال اللہ تبارک و تعالیٰ نے محبوب رسولؐ کے ہاتھ دیا ہے، تم نے جس پر نہ گھوڑے چلائے، اور نہ اس پر اونٹ ڈوڑائے، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو جس پر چاہے، آپؐ کو غالب کر دیتا ہے، اور اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین و غانمین میں مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم ہیں ہو گا، بلکہ اس میں کلی اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہو گا جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں یا اپنے لئے رکھیں۔اس کی مزید تفصیل مندرجہ حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔

(قَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: إِنَّ اللَّهَ قَدْخَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هَذَاالْفَيْءِ بِشَيْءٍلَمْ عطه أحداغيره ثُمَّ قَرَأَ(مَاأَفَاءَاللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُم)إلی قوله(قديرٌ)فكانتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِرَسُول اللَّهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَاالْمَالِ.ثُمَّ يَأْخُذُمَابَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللَّهِ-)[2]

---

[1] الحشر:6۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب: فرض الخمس، ح:3094۔

ترجمہ: "حضرت مالک بن اوس بن حدثانؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ: اللہ نے مالِ فیٔ میں جس چیز کے ساتھ اپنے رسولؐ کو خاص کیا تھا، وہ چیز آپ کے سوا کسی اور کو نہیں دی گئی، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اللہ نے ان میں سے اپنے رسول کو جو عطا فرمایا.... قدیر تک، یہ حضرت محمدؐ کے لیے خاص رہی، آپؐ اس مال کے ذریعہ اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے تھے، اور جو باقی بچ جاتا وہ آپؐ اس مد میں خرچ کرتے جہاں اللہ کا مال خرچ ہونا چاہیے۔"

مالِ فئے کی تعریف:

سعدی ابوجیب نے القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحاً میں فیٔ کی تعریف کی ہے کہ:

هو كل ما حصل للمسلمين من أموال الكفار بغير قتال-[1]

صاحب مدارج النبوت نے فئے کی تعریف کی ہے کہ:

فئے کفار کا وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آئے۔[2]

صاحبِ بذل القوۃ نے فئے کی تعریف بیان کی ہے کہ:

جو مال بغیر جنگ کے بغیر مسلمانوں کو ملے اسے فئے کہتے ہیں۔[3]

تینوں مصنفین نے مال فئے کی تعریف اپنی اپنی کتب میں تقریباً ایک جیسی بیان کی ہیں۔

---

[1] سعدي أبو جيب، القاموس الفقهي لغة واصطلاحا، الناشر: دار الفكر. دمشق - سورية، الطبعة: تصوير 1993م الطبعة الثانية 1408ه -= 1988 مد دالأجزاء: 1.

[2] دہلوی، مدارج النبوت: 2/229۔

[3] ٹھٹھوی، بذل القوۃ، ص 341۔۔

مالِ فئے کی تقسیم کا طریقہ:

مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ارشاد پاک ہے کہ:

﴿مَآ اَفَآءَ اللہ عَلٰی رسولہ مِنْ اھل الْقُرٰی فللہ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ کَیْ لَا یَکُوْنَ دولۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ۚ وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فخذوْہ ۚ وَ مَانھٰکم عنہ فانتھوا ۚ وَ اتَّقُوااللہ ۚ اِنَّ اللہ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

ترجمہ "بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔"

آیت مذکورہ میں فئے کے مستحقین اوران میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے کہ جو الفاظ خمس غنیمت کے متعلق آئے ہیں تقریباً وہی الفاظ یہاں مال فئے کے بارے میں ہیں۔اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال در حقیقت رسول ﷺ اورآپ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں وہ چاہیں توان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں، اور بیت المال میں جمع کر دیں، کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں، البتہ تقسیم کئے جاویں توان پانچ اقسام میں دائر رہیں۔

فئے کا تمام مال خاص حضورؐ ہی ملکیت ہوتا ہے اور اس میں خمس وقسمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آتا ہے۔ حضورؐ نے ایسے اموال فدک وغیرہ کو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال و متعلقین اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ فرمایا اورآپؐ اس کو ضرورت مندوں کے کام کے لئے مہیا اور فراہم کرتے تھے۔ارباب

---

[1] الحشر:7۔

سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر کا اسلحہ ، پچاس زرہ ، پچاس خود، تین سو تلواریں تھیں۔ان میں جس چیز کو جس کے لئے چاہتے عطا فرماتے تھے۔[1]

فئے کا مال خاص آپؐ کے لئے ہوتا تھا اور آپؐ کو یہ مکمل اختیار حاصل تھا کہ چاہے فئی کا خود استعمال میں لائے یا پھر اہل و عیال کے استعمال میں لائے۔

اب یہاں مال فئے کے عبر و نصائح ذکر کیے جائے گے:

مال فئے پورا آپؐ کے حوالے ہوتا تھا اور آپ کے اختیار میں تھا کہ جہاں آپؐ کا جی چاہے خرچ کیا جائے کیونکہ یہ مال بغیر جنگ کے یا پھر مصالح سے حاصل کیا جاتا تھا۔اس میں لشکر کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا تھا۔

مالِ فئے کو شرکاءجنگ میں تقسیم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے تقسیم کے حصے کیے جائیں گے۔

مال فئے کی صورت میں حاصل ہونے والی زمین کو بیت المال کے حوالہ کیا جائے گا اور اس سے حاصل شدہ پیداوار کو بھی بیت المال کے حوالے کیا جائے گا۔

---

[1] ایضاً:2/229۔

نتائج:

اس مقالہ سے درج ذیل نتائج سامنے آئے:

1۔ دونوں سیرت کی کتابوں میں یہ بات قدرے مشترک ہے کہ دونوں کتابوں میں مسائل فقہیہ کو ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ فقہاء کرام کے اختلاف اور ان کی آراء کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور دونوں کا تعلق فقہ حنفی سے ہے۔ مثلاً: غزوہ بدر میں شہداء کے تکفین و تدفین کے مسائل۔

2۔ صاحبِ بذل القوۃ نے اکثر مسائل میں مدارج النبوت سے استفادہ کیا ہے لیکن اکثر مسائل میں مدارج النبوت کو مرجع بیان کرتے ہیں۔

3۔ صاحب بذل القوۃ نے اپنی کتاب کی ترتیب میں غزوات کا تذکرہ، ترتیب زمانی ساتھ کیا ہے اور صاحب بذل القوۃ نے کتاب نے کتاب کے ایک حصے میں صرف واقعات کا تذکرہ کیا ہے جبکہ دوسرے حصے میں مسائل ذکر کیے ہیں۔ مثلاً: صلاۃِ خوف کی بحث میں ترتیبِ زمانی ذکر کی ہے۔

4۔ صاحبِ مدارج النبوۃ نے اپنی کتاب کی ترتیب میں غزوات کا تذکرہ ترتیبِ مکانی کے ساتھ کیا ہے (غزوہ کی جگہ کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرتے ہیں اور اسی کے بارے میں آراء علماء کا تذکرہ بھی کرتے ہیں)۔

5۔ صاحب مدارج النبوت نے اپنی کتاب میں احادیث کو کثرت سے ذکر کیا ہے۔

6۔ صاحب مدارج النبوت اپنی کتاب میں فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ فقہاء کے اختلاف کو بھی ذکر کرتے ہیں اور اپنی رائے بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: غزوہ احد کے واقعہ میں فرماتے ہیں کہ بندہ مسکین ثبتہ اللہ علی الطریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ: "لکن حمزۃ لا بواکی لہ" اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غمخواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کیے گئے تھے۔

7۔ صاحبِ مدارج النبوت نے فائدہ اور تنبیہات کی سرخی کے تحت اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً: فتح مکہ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ "وصل" پہلے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی دسویں رمضان آٹھ ہجری چہار شنبہ بعد نما

زعصران اختلافات کے ساتھ جو تعیین تاریخ میں ہے ہوئی تھی اور داخلہ مکہ مکرمہ اور اس کا فتح ہونا اسی مہینہ کی بیس تاریخ کو ہوا تھا۔ سید عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم رمضان کے بقیہ دن اور شوال چھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

8۔ مؤلفین مشکل الفاظ کے معانی و مفاہیم بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: دہلوی صاحب نے بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین کی ترسیل کی بحث میں "مکتوب گرامی بنام ہودہ بن حنفی والی یمن" میں لفظِ سبابہ کی معانی کو ذکر کیا ہے، کہ سبابہ بفتح سین و تخفیف یا کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں، اور اسے ملح بھی کہتے ہیں۔ کھجور کے اول حصہ کو طلع، پھر ملح پھر بسر پھر رطب اس کے بعد تمر کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ فن سیر کے بعض اکابر نے سبابہ کو انگشت سبابہ لکھا ہے اور ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر زمین سے ایک انگلی کی برابر بھی مانگے تو میں نہ دوں۔

9۔ صاحب بذل القوۃ متعارض احادیث کا تذکرہ کرنے کے بعد اس میں تطبیق کی صورتیں بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً: اس کی مثال ایک مشہور روایت سے ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کی ہمشیرہ حضرت فاطمۃ بنت خطاب حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ: جس کو زرقانی نے اپنی کتاب شرح مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت فاطمہ، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن نے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر ایمان لائیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کی صاحبزادیاں حضرت فاطمہ بنت خطاب سے ایمان لانے میں مقدم ہیں۔

10۔ صاحب بذل القوۃ مجموعی مرویات کا تذکرہ ترجیحاً کرتے ہیں۔

سفارشات وتجاویز

محققین کے لیے:

1۔ مستند رواياتِ سیرت کی روشنی میں فقہ السیرۃ کی مباحث کو مختلف جہتوں سے مرتب کیا جاسکتا ہے۔

2۔ سیرت کو دروس وعبر کے انداز میں مختلف معاشرتی طبقات کے لیے مرتب اور عام کرنے کی ضرورت ہے۔

3۔ یہ مصنفین فقہ حنفی سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح کے مطالعات مختلف فقہی مسالک کی تحریر کردہ کتب پر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ فقہ المقارن کے ذریعے نئی جہات سامنے لائی جاسکیں۔

4۔ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ کا علمی ورثہ تاحال محققین کی توجہ چاہتا ہے، جہاں آپ کی قلمی نسخوں پر تحقیقات کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ برصغیر کی ایک مایہ ناز علمی شخصیت کے کارنامے سامنے لائے جاسکیں۔

5۔ روایات سیرت میں متعارض روایات کی تطبیق پر مشتمل سیرت کے مباحث ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔

6۔ ان دونوں کتب میں مباحثِ غزوات کے علاوہ دیگر مباحث پر بھی فقہی اعتبار سے کام کیا جاسکتا ہے۔

نصاب سازی پر مامور اداروں کے لیے:

7۔ نصاب میں موجود سیرت کو عملی صورتوں کے ساتھ مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔

عوام الناس کے لیے:

8۔ کتبِ سیرت کا مطالعہ اس انداز میں کیا جانا چاہیے کہ سیرت کے واقعات سے دروس وعبر کو واضح کیا جاسکے جس سے عام انسان کو زندگی گزارنے کے لیے رہنمائی حاصل ہو۔

فہارس

1۔ فہرست قرآنی آیات

2۔ فہرست احادیث

3۔ فہرست اصطلاحات

4۔ فہرست اعلام

5۔ فہرست اماکن

6۔ فہرست مصادر ومراجع

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	آیات	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1۔	﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُم يُنْفِقُوْنَ-------﴾	البقرة	3	121
2۔	﴿وَ اِذْ قَالَ ابراهيم رَبِّ اجْعَلْ هذا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اهله-----﴾	البقرة	126	13
3۔	﴿وَلا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ-----﴾	البقرة	154	46
4۔	﴿وَاقتلوهم حَيْث ثقفتموهم وَاخرجوهم مِّنْ حَيْثُ ------﴾	البقرة	191	16
5۔	﴿وَقتلوهم حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فتنة وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ الله--------﴾	البقرة	193	16
6۔	﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالهم فِيْ سَبِيْلِ الله-----﴾	البقرة	261	121
7۔	﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ-----﴾	آل عمران	157	47
8۔	﴿وَلاتَحسَبنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِى سَبِيلِ اللهِ اَمواتاً بَل احيَاء---﴾	آل عمران	169	44
9۔	﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ-----﴾	النساء	43	79
10۔	﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ ---﴾	النساء	69	45
11۔	﴿وَمَالَكُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الله وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ------﴾	النساء	75	15
12۔	﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ-----﴾	النساء	90	13
13۔	﴿وَاِذَاضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ-----﴾	النساء	101	76
14۔	﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيهم فَاَقَمْتَ لهم الصَّلٰوة فَلْتَقُمْ طَآئِفة مِّنهمْ--﴾	النساء	102	78
15۔	﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ---﴾	المائده	6	85
16۔	﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لله خُمُسَه-----﴾	الانفال	41	129

17۔	﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتهم خٰشِعُوْنَ-----﴾	المؤمنون	1تا11	78
18۔	﴿وَمَآاَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ---﴾	النمل	80	71
19۔	﴿اتْلُ مَآاُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ-----﴾	العنکبوت	45	67
20۔	﴿اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی--﴾	فاطر	22	67
21۔	﴿وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ-----﴾	محمد	4،5،6	47
22۔	﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ-----﴾	الحدید	19	45
23۔	﴿وَمَآاَفَآءَ اللہ عَلٰی رسوله منهم فَمَآ اَوْجَفْتُمْ علیه----﴾	الحشر	6	134
24۔	﴿هو الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْله بِالهدٰی----﴾	الصف	9	14

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	صفحہ نمبر
1۔	(أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ----)	90
2۔	(أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍخُضْر،لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ---)	47
3۔	(اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَهْلِ الْقَلِيبِ----)	62
4۔	(أُعْطِيتُ خَمْسًالَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ---)	129
5۔	(أَمَرَنَارَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا أَنْ نَتَصَدَّقَ----)	124
6۔	(أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ----)	109
7۔	(انْتَدَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَايُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي---)	130
8۔	(أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ----)	88
9۔	(أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ،وَأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ---)	88
10۔	(أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ---)	86
11۔	(أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:صَلَّى يَوْمَ بُشِّرَ بِرَأْسِ أَبِي جَهْلٍ رَكْعَتَيْنِ-----)	82
12۔	(إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَاوُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا انْصَرَفُوا---)	66
13۔	(إِنَّ اللَّهَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَاالْفَيْءِ بِشَيْءٍ---)	134
14۔	(أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ قَتْلَى بَدْرٍثَلَاثًا ثُمَّ أَتَاهُمْ فَقَامَ عَلَيْهِمْ ----)	65
15۔	(أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍبِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيدِ ---)	62
16۔	(أَنَّ النِّسَاءَ كُنَّ يَوْمَ أُحُدٍ خَلْفَ الْمُسْلِمِينَيُجْهِزْنَ عَلٰى جَرْحٰى الْمُشْرِكِينَ----)	54
17۔	(أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ---)	58
18۔	(أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ----)	118
19۔	(بَيْنَا أَنَا قَاعِدَةٌ أَنَا وَعَائِشَةُ إِذْ وَلَجَتِ امْرَأَةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ فَقَالَتْ : فَعَلَ اللَّهُ بِفُلَانٍ --)	102

نمبر شمار	احادیث	صفحہ نمبر
20۔	(تَرَكَ قَتْلَى بَدْرٍثَلَاثًا ثُمَّ أَتَاهُمْ فَقَامَ عَلَيْهِمْ فَنَادَاهُمْ فَقَالَ يَاأَبَاجَهْلِ بْنَ هِشَامٍ يَاأُمَيَّةَ -)	65
21۔	(حَبَسَ الْمُشْرِكُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ،حَتَّى احْمَرَّتِ-)	73
22۔	(خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ فَسِرْنَا لَيْلًا---)	113
23۔	(سَارَ لَيْلَهُ حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكَرَى عَرَّسَ، وَقَالَ لِبِلَالٍ----)	109
24۔	(شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلَى جَيْشِ الْعُسْرَةِ----)	125
25۔	(كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ----)	94
26۔	(لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ---)	122
27۔	(لَايُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ----)	83
28۔	(لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ أَ رْوَاحهم فِى أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ--)	57
29۔	(لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ دَعَانِي أَبِي مِنَ اللَّيْلِ , فَقَالَ:مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا---)	52
30۔	(مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا---)	49
31۔	(مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ، لَهَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ----)	47
32۔	(مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّومَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا----)	117
33۔	(مَنْ جَهدَ فِى سَبِيلِ اللهِ----)	51
34۔	(نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ، عَنْ أَنْ نَأْكُلَ لُحُومَ الْحُمُرِ----)	106
35۔	(هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي صَلَاةَ الْخَوْفِ----)	79
36۔	(يَضْحَكُ اللهُ لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ----)	50

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
1۔	اشعار	108
2۔	تیمم	85
3۔	تناسخ	60
4۔	تنقیص	59
5۔	تعریس	108
6۔	حضر	90
7۔	خمس	131
8۔	شیخین	112
9۔	فئی	134
10	قصر	76
11۔	قذف	104
12۔	قصاص	119
13۔	لحد	54
14۔	متجاوز	89
15۔	مقیم	89
16۔	متعہ	117
17۔	مباح	129
18۔	مکروہ تحریمی	116
19۔	مکروہ تنزیہی	116

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
20۔	متجسد	60
21۔	متمثل	60
22۔	ہدی	108

فہرست مصادر و مراجع

القرآن الکریم منزل من اللہ تعالی

عربی:

1۔ أسد الغابۃ، المؤلف: أبو الحسن علي بن أبي الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیباني الجزري، عز الدین ابن الأثیر (المتوفی: 630ھ-) أسد الغابۃ، المؤلف:، الناشر: دار الفکر - بیروت، عام النشر: 1409ھ-- 1989م 2۔

2۔ تھذیب الأسماء واللغات، المؤلف: أبو زکریا محیي الدین یحیی بن شرف النووي (المتوفی: 676ھ-)، عنیت بنشرہ وتصحیحہ والتعلیق علیہ ومقابلۃ أصولہ: شرکۃ العلماء بمساعدۃ إدارۃ الطباعۃ المنیریۃ، یطلب من: دار الکتب العلمیۃ، بیروت - لبنان، عدد الأجزاء: 4

3۔ تاج العروس من جواھر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسیني، أبو الفیض، الملقّب بمرتضی، الزَّبیدي دار الھدایۃ، عدد الأجزاء: 40۔

4۔ تفسیر القرآن العظیم، المؤلف: أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفی: 774ھ-)، الناشر: دار طیبۃ للنشر والتوزیع، الطبعۃ: الثانیۃ 1420ھ-- 1999م۔

5۔ التفسیر المظھري، المؤلف: المظھري، محمد ثناء اللہ، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ – الباکستان، الطبعۃ: 1412ھ۔

6۔ الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ = صحیح البخاري، المؤلف: محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ البخاري الجعفي، المحقق: محمد زھیر بن ناصر الناصر، الناشر: دار طوق النجاۃ (مصورۃ عن السلطانیۃ بإضافۃ ترقیم ترقیم محمد فؤاد عبد الباقي)، الطبعۃ: الأولی، 1422ھ-۔

7۔ الجامع الکبیر - سنن الترمذي، احمد بن عیسی بن سَوْرۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذي، أبو عیسی (المتوفی: 279ھ-)، (الناشر: دار الغرب الإسلامي - بیروت، سنۃ النشر: 1998م، عدد الأجزاء: 6)۔

8۔ الجامع لأحکام القرآن = تفسیر القرطبیو المؤلف: أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن أبي بکر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدین القرطبي (المتوفی: 671ھ-) والناشر: دار الکتب المصریۃ – القاھرۃ والطبعۃ: الثانیۃ، 1384ھ-- 1964م

9۔السنن أبي داود، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ)،المحقق:شعَيب الأرنؤوط-محَمَّد كامِل قره بللي،الناشر:دار الرسالة العالمية،الطبعة:الأولى،1430هـ-2009م۔

10۔السنن ابن ماجہ،ابن ماجة-وماجة اسم أبيه يزيد-أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني(المتوفى:273هـ)،(الناشر:دار الرسالة العالمية،الطبعة:الأولى،1430هـ-2009م،عدد الأجزاء:5)۔

11۔سير أعلام النبلاء،المؤلف:شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي(المتوفى:748هـ)،المحقق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرناؤوط،الناشر:مؤسسة الرسالة،الطبعة:الثالثة،1405هـ/1985م،عدد الأجزاء:25(23ومجلدان فهارس)۔

12۔السيرة النبوية فی فتح الباری،حافظ ابن حجر عسقلانی،(مکتبہ دار البیان،طبع سوم،2001۔1422ھ)۔

13۔الطبقات الكبرى،المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى:230هـ)، تحقيق:محمد عبد القادر عطا،الناشر:دار الكتب العلمية-بيروت،الطبعة:الأولى،1410هـ-1990م،عدد الأجزاء:8)۔

14۔لسان العرب،علامہ ابن منظور،(بیروت:دار احیاء التراث العربی،البعۃ الاولی،1988۔1408)،ص68،67،66۔

15۔المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري(المتوفى:261هـ)،المحقق:محمد فؤاد عبد الباقي،الناشر:دار إحياء التراث العربي-بيروت،عدد الأجزاء:5۔

16۔مسند الإمام أحمد بن حنبل،المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ)،المحقق:أحمد محمد شاكر،الناشر:دار الحديث-القاهرة الطبعة:الأولى،1416هـ-1995م،عدد الأجزاء:8(القسم الذي حققه أحمد شاكر)۔

17۔معجم مقاييس اللغة(المتوفى:395هـ)،أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي أبو الحسين،والمحقق:عبد السلام محمد هارون،والناشر:دار الفكر،عام النشر:1399هـ-1979م.،عدد الأجزاء:6۔

اردو:

18۔اخبار الاخیار، ابو المجد عبد الحق محدث دہلوی، متر جمین: مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، (اکبر بک سیلرز زبیدہ سینٹر 40اردو بازار لاہور)۔

19۔اشرف الہدایہ، مولانا جمیل سکروڈھوی، (دارالاشاعت، اردو بازارایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان)۔

20۔آسان ترجمہ، مفتی محمد تقی عثمانی، (اداہ معارف القرآن، کراچی)۔

21۔بذل القوۃ، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، ترجمہ: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی(مظہر علم، کالا طحائی، شاھدرہ روڈ، لاہور)۔

22۔تفسیر حقانی، ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی، (الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازاز لاہور)۔

23۔تفہیم القرآن، ابوالاعلی مودودی، (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)۔

24۔حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، خلیق احمد نظامی (مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)۔

25۔سوانح شیخ الحدیث مولانا عبد الحق، مولانا عبدالقیوم حقانی(القاسم اکیڈمی، سرحد پاکستان 2001ء،1422ھ)۔

26۔الفقہ الاسلامی وادلتہ، ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، ترجمہ: مولانا محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت، کراچی۔

27۔القاموس الوحید، مولانا وحید الزمان قاسمی، کیرانوی, ادارہ اسلامیات، لاہور۔کراچی، طبع اول، ربیع الاول 1422ھ، جون 2001ء۔

28۔مخدوم محمد ہاشم تٹوي سوانح حیات اور علمی خدمتون، ڈاکٹر عبد الرسول قادری، (ماہوار صراط الھدیٰ، کراچی)

29۔مدارج النبوت، حضرت علامہ شیخ محمد عبد الحق دہلوی، ترجمہ: الحاج مفتی غلام الدین نعیمیؒ، (عبد اللہ اکیڈمی، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور)، ص208۔

30۔معارف القرآن، مفتی شفیع عثمانیؒ، (ادارہ معارف القرآن، کراچی)۔

فارسی:

31۔شرح سفر السفادہ، شیخ مجددی شیرازی، کتابخانہ مجلس شورای اسلامی (جمہوری اسلامی ایران)۔

انٹرنیٹ:

32۔4601/http://algazali.org/index.php?threads / الغزالی۔